مسلمان بچوں کی پرورش و پرداخت تعلیم و تربیت اور تزکیۂ اخلاق پر محققانہ کتاب!

المعروف

اسلام کا نظامِ تربیت

جو کتاب و سنت کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے

تالیف

حضرت مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی

مرتب فتاوی دار العلوم دیوبند (یوپی) انڈیا

ناشر

مکتبہ رشیدیہ قاری منزل پاکستان چوک کراچی

اشاعتِ اوّل

ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ — مطابق — نومبر ۱۹۷۸ء

تعداد

ایک ہزار

صفحات

دو سو

طباعت

کتابت

سیّد دلشاد حسین کاظمی

قیمت

مقامِ اشاعت

مکتبہ رشیدیہ کراچی (پاکستان)

فون نمبر: ۲۱۳۸۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

"اسلام کا نظامِ تربیت"

عرضِ ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

امابعد؛ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ چھوٹے بچے کا ذہن کچی لکڑی کی طرح ہوتا ہے، اس کو جس طرح چاہا سمجھا بجھا کر، بہلا پھسلا کر موڑ دیا، وہ والدین کو جو کام کرتے دیکھتا ہے اُس کی نقل کرنے لگتا ہے،

حدیث میں یہی فرمایا گیا ہے کہ بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے، ہوش سنبھالنے کے بعد والدین کو جس مذہب کا پیرو دیکھتا ہے ان کی پیروی کرنے لگتا ہے، آج کے اس دَورِ فساد میں اس بات کی بیحد ضرورت ہے کہ والدین خود بھی اسلامی تعلیمات کے سانچے میں اپنے کو ڈھالیں، اور اپنی اولادوں کو بھی اسی راستہ پر ڈالنے کی شروع سے کوشش کریں،

کیونکہ اس میں دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہے، زیرِ نظر کتاب اسی مقصد کے پیشِ نظر شائع کی جارہی ہے، تاکہ والدین اپنی اولادوں کو دین کے راستہ پر چلانے کے لئے اس سے رہنمائی حاصل کرسکیں، اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت سے نوازیں، آمین

حافظ رشید احمد غفرلہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اسلام کا نظامِ تربیت

اَلحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ لاسیما علیٰ سید الوریٰ

یہ کون نہیں جانتا کہ قوموں کے عروج و زوال کا راز بڑی حد تک بچّوں کی تعلیم و تربیت میں مضمر ہے، نونہالانِ قوم کی پرورش و پرداخت اگر اچھے نہج پر ہوا ور ان میں عقائد کی پختگی، اخلاق کی درستی اور اعمال کی پاکیزگی رچ بس جائے تو پھر انہیں بلندیٔ کردار، وسعتِ فکر و نظر اور عزتِ نفس کا احساس پیدا ہوجانا ایک طبعی امر ہے، لیکن اگر خدانخواستہ اُن کی تربیت غلط لائنوں پر ہوئی تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ یہی قوم کی تباہی و بربادی کا سبب نہ بن سکیں گے؟

آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ یہی بچّے مستقبل کے معمار ہیں، کیونکہ جوان ہوکر دیر سویر یہی قوم و ملک کے قائد اور مذہب و ملّت کے پیشوا بنتے ہیں، جب یہ خود قائدانہ اوصاف اور شانِ امامت سے عاری ہوں گے تو آپ سوچیں... کہ قوم و ملک کی تعمیر اور مذہب و ملّت کی پیشوائی کا حشر کیا ہوگا؟

قوموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے بچّوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی اور ان کی تعمیرِ سیرت میں غفلت نہیں برتی وہ ہر زمانہ میں کامیاب رہے، اور عزّت و احترام نے ان کے درجہ کی جبہ سائی کی، اور جن لوگوں نے اس کی

اہمیت محسوس نہیں کی اور اپنی اولاد کی صحیح پرورش وپرداخت سے غافل رہے، انھیں کوئی عزّت نہ مل سکی، بلکہ بسا اوقات انھیں ذلّت وخواری سے دوچار ہونا پڑا، اور در در کی ٹھوکریں کھانا پڑیں، اس لئے اگر کوئی چاہتا ہے کہ اُسے عظمت و رفعت حاصل ہو اور وہ باعزّت زندگی گذارے تو اسے اپنے نونہالوں کی تربیت پر نظر رکھنا ہوگی،

اسلام خدا کا آخری دین ہے جس کے پیشِ نظر ساری کائنات کی اصلاح اور فوز وفلاح ہے، کسی خطّہ اور نسل کے ساتھ مخصوص نہیں' اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ اُس کی تعلیمات میں بچّوں کی تعلیم وتربیت جیسا اہم ووسیع باب نہ ہوتا اور انسانوں کے اس سلسلہ کے ربّانی ہدایات وہ فراہم نہ کرتا،

چنانچہ اس نے جہاں انسانی زندگی کے مختلف گوشوں کی نگرانی کی، اور مختلف منزلوں میں انسانیت کو سہارا دیا وہیں اس نے بچّوں کی پرورش و پرداخت اور نشوونما کا مسئلہ بھی نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر مفصّل آئین و دستور کے ذریعہ اس شعبۂ حیات کی رہبری کی، اور اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، پیدائش سے لے کر جوانی تک بچّوں کو جن منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے اور فطرتِ انسانی کے تقاضے سے جن ہدایتوں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے اُن تمام کی نشان دہی کی،

یہ مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھکر انسانی نفسیات کا جاننے والا اور کوئی ممکن نہیں، اس لئے کہ اسی ذات نے اُسے وجود کی دولت بخشی ہے، اور اسی نے اسے ساری کائنات میں معزّز بنایا ہے، پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس نے جو

قوانینِ تربیت بنائے ہیں وہ انسان کے لئے ہر طرح مفید ثابت نہ ہوں بلکہ عقل کا تقاضہ تو یہ ہو کہ صرف یہی قوانین انسانی مزاج سے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں، اس لئے یقین رکھنا چاہئے کہ اسلام کا نظامِ تربیت ہی بچوں میں انسانیت اور دوسرے مکارمِ اخلاق و ملکاتِ فاضلہ پیدا کر سکتا ہو جن کے بغیر دنیا جہنم بنتی جارہی ہے،

اسلامی نظام ہر پہلو سے مکمل اور جامع ہے، جو بھی اس پر عمل پیرا ہوگا کامیاب ہوگا، باقی رہے مسلمان تو ان کا عقیدہ ہے کہ اس نظامِ حیات سے ہٹکر انسان سب کچھ بن سکتا ہے لیکن اس میں آدمیت نہیں آسکتی، جو انسان کا طرۂ امتیاز ہے،

پھر مسلمان کی نظر صرف دنیا تک محدود نہیں، بلکہ اس کے ساتھ آخرت پر بھی اس کا ایمان ہے، جو اصل زندگی ہے، اور وہی مقصود بالذات ہی یہ موجودہ زندگی تو صرف وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس وجہ سے مسلمانوں کا فریضہ ہو کہ وہ اپنے نونہالوں کی پرورش و پرداخت اسی لائن پر کریں جو اسلام کی بچھائی ہوئی ہے، تاکہ اُن کے بچے جس طرح دنیاوی زندگی میں باکمال ثابت ہوں آخرت کی کامرانیوں سے بھی ہمکنار ہو سکیں،

تاریخ شہادت پیش کرتی ہے کہ مسلمانوں نے جب تک اپنے بچوں کی تربیت قرآن وحدیث کے مطابق کی وہ دنیا میں بھی حکمران اور برتر بن کر رہے، اور آخرت کی نعمتوں سے بھی مالا مال ہوتے رہے، اور جب سے انھوں نے دنیا کے دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی کتاب و سنّت کی راہ چھوڑ دی اور انسانی نظام پر اعتماد کرنے لگے اُن سے حکومت و دولت بھی گئی اور عزت و آبرو بھی، جس کا

افسوسناک منظر دنیا کے گوشہ گوشہ میں دیکھا جاسکتا ہے، اس لئے اور بھی ضرورت ہے کہ مسلمان اسی راہ پر اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش و پرداخت شروع کریں، جس کی طرف کتاب و سنت نے رہنمائی کی ہے،

یہ چھوٹی سی کتاب اسی "اسلامی نظامِ تربیت" کا نقشِ اوّل ہے، جس میں اپنے طور پر سعی کی گئی ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں وہ سارے مسائل علمی انداز پر جمع ہو جائیں، جن کی بچے کی پرورش میں آئے دن ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور جو اب تک مختلف کتابوں میں منتشر تھے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی توفیق سے یہ سب کچھ ہوا، اس موقعہ پر اپنے اساتذۂ کرام اور اکابر کی خدمت میں بھی ہدیۂ عقیدت و محبت پیش کرتا ہوں،

الٰہ العالمین! تیرا یہ گنہگار بندہ ایک علمی تحفہ ملک و ملّت کے سامنے پیش کر رہا ہے، اپنی بے مائگی کا اُسے اقرار ہے، مگر وہ تیرے فضل و کرم سے ہرگز مایوس نہیں، اس کی یہ حقیر خدمت قبول فرما، اور مؤلف کے لئے اسے زادِ آخرت اور فلاحِ دارین کا وسیلہ بنا، اور ساتھ ہی اس چھوٹی سی کتاب کو نونہالانِ قوم کی اصلاح اور ترقی و عروج کا ذریعہ بنا دے، آمین یارب العالمین،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ

طالب دُعا،

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

۲۰ جمادی الاولی ۱۳۸۱ھ

بچّوں کی تربیت اسلام میں؟

تربیت کی ابتدا،

بچّے جوں ہی انسانی برادری میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اُن کی تربیت و تعلیم شروع کردیجاتی ہے، والدین اور والدین کے بعد اُن کی جگہ لینے والوں پر ذمّہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اُن کی دیکھ بھال پر گہری نظر رکھیں، اور تربیت کے سلسلہ میں اس طریقہ کو اپنائیں، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی تعلیم دی بلکہ خود برت کر امت کے لئے نمونہ چھوڑ گئے،

جو شخص اس آئین کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اسلام کی نظر میں مجرم کی حیثیت رکھتا ہے، اور قوم و ملت کا بدخواہ ہے، سماج میں اس کی وجہ سے جو خامی اور کمزوری پیدا ہوگی اس کا سارا وبال ایسے ہی افراد کے سر ہوگا،

والدین کو ہدایات

یہ ظاہر ہے کہ بچہ والدین کا جزو بدن ہے، اور ان کے ہی محبت آفریں اختلاط کا ثمرہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام انھیں ہدایت کرتا ہے کہ ان دونوں کا یہ میلاپ اس طرح ہو کہ آنے والی نسل پاکیزہ بن سکے، مثلاً یہ کہ دونوں پردہ اور شرم و حیاء کا پورا پورا لحاظ رکھیں، خود پاک وصاف ہوں، پھر موقع سکون و اطمینان کا ہو،

مزاج میں اعتدال ہو، ابتداء سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کریں، اس وقت ایسی دعائیں پڑھیں جن کی برکت سے شیطانی تصرف سے نجات مل جائے

ہمبستری کی دعاء

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :۔

اِذَا اَرَادَ الْجِمَاعَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (حصن حصین صـ۱۲۰)

"تم میں سے جب کوئی اپنی اہلیہ سے ہمبستری کا ارادہ کرے تو پہلے یہ دعاء پڑھے :۔ بسم اللہ اللھم الخ یعنی میں اللہ کے نام سے اس کام کی ابتداء کرتا ہوں، اے اللہ ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے مقدر کر رکھا ہو اسے شیطانی شر سے بچا"

خلاف ورزی کا نقصان

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر کوئی عمل نہیں کرتا ہے تو وہ خود اپنا نقصان کرتا ہے، اس لئے کہ حدیث مرفوع میں صراحت ہے،

اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا جَامَعَ اِمْرَأَتَهٗ وَلَمْ يُسَمِّ انْطَوَى الْجَانُّ عَلٰى اِحْلِيْلِهٖ وَجَامَعَ مَعَهٗ (حاشیہ حصن حصین ص ۱۲۰ بحوالہ الاشباہ والنظائر)

"آدمی جب اپنی بیوی سے ہمبستر ہوتا ہے اور بسم اللہ نہیں پڑھتا تو جن اس کی شرمگاہ سے لپٹ جاتا ہے، اور اس کے ساتھ جماع میں شریک ہو جاتا ہے"

شیطان کا تصرف

جعفر بن محمدؒ کا بیان ہے کہ شیطان آدمی کی شرمگاہ پر شرکت و وسوسہ کی نیت سے بیٹھا ہوتا ہے، مگر جونہی وہ بسم اللہ کہتا ہے دور ہو جاتا ہے، اور اگر کہیں بسم اللہ نہیں پڑھتا

تو وہ اس کے ساتھ جماع میں شریک ہو جاتا ہے اور اس کے انزال کے ساتھ یہ بھی انزال کرتا ہے[۵]

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ ہمبستری کے وقت بسم اللہ اور دعائے حفاظت بیحد ضروری ہے، تاکہ شیطانی تصرّفات کی زد سے محفوظ رہ سکے، اور آنے والی نسل اُن اثرات سے بچ سکے جو شیطان ڈالنا چاہتا ہے،

حدیث میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ جو اس وقتِ خاص میں بسم اللہ اور دُعائے حفاظت پر عمل کرتا ہے اس کی اولاد شیطانی فتنوں سے محفوظ رہتی ہے،

بعد فراغت دعاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جماع سے فارغ ہونے کے بعد مزید یہ دعاء پڑھے

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ فِيْمَا رَزَقْتَنِيْ نَصِيْبًا (ایضاً)

"اے اللہ! جو کچھ تو نے میرے حصّہ میں مقدر کر رکھا ہے اس میں شیطان کو دخل نہ دینے دے"

آپ غور و فکر سے کام لیں گے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ اسلام اسی وقت سے انسان کی حفاظت شروع کر دیتا ہے جس وقت وہ اپنے باپ کی پیٹھ سے جُدا ہونے کا ارادہ کرتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نطفہ انسانی صورت و شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی شیطانی تصرفات و وساوس

---

۵ حاشیہ حصن حصین صفحہ ۱۲۰ بحوالہ معالم التنزیل،

سے محفوظ ہوجائے گا، اور شکمِ مادر کے اندر اس کی صورت گری معصوم و مامون طریقہ پر ہوگی،

ایام حمل میں احتیاط

اب جب بچہ کی آمد آمد ہو تو رزقِ حلال اور صدقِ مقال کا پورا لحاظ ہو، رنج و غم سے بچّہ کی ماں دور رہے، احکامِ اسلام کی پوری پابند ہو، حتیٰ کہ اس کے خیالات و تصورات بھی لغویات سے منزّہ ہوں، تاکہ نفسیاتی طور پر شکمِ مادر میں جو بچہ ہے ہر طرح اس پر اچھے اثرات مرتب ہوں،

بچّوں کے کان میں کلماتِ اذان

پیدائش کے بعد پہلی آواز

بچّہ شکمِ مادر سے نکل کر زمین پر قدم ڈالے تو اس کا استقبال کلماتِ خیر سے کیا جائے پہلے اسے صاف ستھرا اور پاک کیا جائے، پھر اس کے کان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، کبریائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی آواز پہنچائی جائے،

پیغمبرِ خدا کا عمل

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:-

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ	"میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے اپنے نواسہ حضرت حسن بن علیؓ

الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ، رواه الترمذی	کے کان میں نماز والی اذان دی جس وقت وہ پیدا ہوئے۔"

(مشکوٰۃ باب العقیقہ)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عملی تعلیم ہمیں ترغیب دیتی ہے کہ اس سلسلہ میں ہم سے کوئی ادنیٰ کوتاہی بھی نہ ہونے پائے،

اذان کا مسنون ہونا

ملا علی قاری رحؒ لکھتے ہیں:-

وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى سُنِّيَّةِ الْأَذَانِ فِيْ أُذُنِ الْمَوْلُوْدِ،	"یہ حدیث بچے کے کان میں اذان دیئے جانے کے سنت ہونے کو بتاتی ہے۔"

(مرقاۃ، ص ۳۶۰ ج ۴)

اذان کے فوائد

جو مسلمان اس سنت پر عمل نہیں کرتے وہ ایک طرف تو مولود بچہ پر ظلم کرتے ہیں، اور دوسری طرف خود اپنا دینی نقصان کرتے ہیں، اذان کے جہاں بہت سارے فضائل ہیں وہاں حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ شیطان ان کلمات سے بے انتہا اذیت محسوس کرتا ہے، اور بدحواس ہو کر جس تیزی سے بھاگ سکتا ہے بھاگ نکلتا ہے، ارشادِ نبوی ہے:-

إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ أَدْبَرَ	"جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے

اَلشَّیْطَانُ وَلَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعُ التَّاذِیْنَ ، (مشکوٰۃ باب الاذان)	شیطان بدحواس ہو کر بھاگتا ہی تا آنکہ وہ کلماتِ اذان نہیں سنتا ؛

اذان کی حکمت

اس وقت اذان دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دشمنِ انسان شیطانِ لعین کے شر سے بچہ بچ جاتا ہے جو اس وقت خصوصی طور پر چھیڑنے کی تاک میں ہوتا ہے، اور دنیا میں آنے کے ساتھ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بڑائی، توحید اور رسالت سے آشنا ہو جاتا ہے، مُلّا علی قاریؒ اذان دینے کی حکمت کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:-

وَالْاَظْهَرُ اَنَّ حِكْمَةَ الْاَذَانِ اَنَّهٗ يَطْرُقُ سَمْعَهٗ اَوَّلَ وَهْلَةٍ ذِكْرُ اللهِ تَعَالٰى عَلٰى وَجْهِ الدُّعَاءِ اِلَى الْاِيْمَانِ وَالصَّلٰوةِ الَّتِيْ هِيَ اُمُّ الْاَرْكَانِ،	"اذان کی حکمت یہ ہو کہ بچہ کا کان پہلے پہل ذکر اللہ سے اس طرح آشنا ہوتا ہے کہ اس میں ایمان و نماز کی طرف دعوت ہوتی ہے جو اُمّ الارکان ہے ؛

(مرقاۃ جلد ۴، ص ۳۶۰)

اذان کے ساتھ تکبیر

گویا بچہ عقائد و اعمال دونوں سے اوّل دن واقف ہو جاتا ہے، کلماتِ ایمان عقائد کو ظاہر کرتے ہیں، اور دعوتِ نماز اعمال کو،

مُلّا علی قاریؒ نے مسند ابو یعلی موصلی کے حوالہ سے ایک مرفوع حدیث نقل

کی ہے، جس میں یہ تفصیل ہے کہ بچّہ کے دائیں کان میں اذان دی جائے، اور بائیں میں تکبیر اور اس کا دنیاوی فائدہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بچّہ اُمّ الصّبیان جیسی مہلک بیماری کے ضرر سے محفوظ رہے گا، اُس کے الفاظ یہ ہیں :۔

عَنِ الْحُسَيْنِ رض مَرْفُوْعًا مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَذَّنَ فِيْ اُذُنِهِ الْيُمْنٰى وَاَقَامَ فِيْ اُذُنِهِ الْيُسْرٰى لَمْ تَضُرَّهٗ اُمُّ الصِّبْيَانِ، كذا فى الجامع الصغير للسيوطى (ايضًا)

"حضرت حسین رض سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس کسی کے بچّہ پیدا ہو وہ اس کے دائیں کان میں اذان دے اور بائیں میں تکبیر فائدہ یہ ہوگا کہ اُمّ الصّبیان کی بیماری اسے ضرر نہ پہنچا سکے گی۔"

سُورۂ اخلاص کی تلاوت

رزین سے روایت ہے کہ بچّہ کے کان میں اس وقت سورۂ اخلاص بھی پڑھی جائے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کیا ہے، الفاظ یہ ہیں :۔

(وَلِرَزِيْنٍ) وَقَرَأَ فِيْ اُذُنِ الْحَسَنِ رض سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ، (جمع الفوائد صفحہ ۲۱ ج ۱)

"اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رض کے کان میں سورۂ اخلاص پڑھی"

حضرت عمر بن عبد العزیز رض کا عمل

مُلّا علی قاری رح نے حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے :۔

وَرُوِيَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ رض كَانَ يُؤَذِّنُ فِي الْيُمْنٰى وَيُقِيْمُ فِيْ

"روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رض جب بچہ پیدا ہوتا تو اس کے دائیں کان میں

الْيُسْرٰى إِذَا وُلِدَ الصَّبِيُّ (مرقاة صـ۳۶ جـ۴)	اذان دیا کرتے تھے اور بائیں میں اقامت،،

امام نوویؒ کی رائے

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ بچّہ کے کان میں یہ آیت پڑھی جائے:۔

اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (مرقاة صـ۳۶ جـ۴)	"میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں،،

اذان کون دے؟

جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اتنی بات کھل کر سامنے آگئی کہ بچّہ کے کان میں پیدا ہوتے ہی اذان دینا سنت ہے، اور بقیہ دُعائیں مستحب، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ بچّہ کے کان میں اذان کوئی صالح اور دیندار خاندان کا ایسا فرد دے، جس کو قریبی تعلق ہو، اور یہ جو رواج ہے کہ کسی فقیر یا کسی بچّہ سے اذان دلوا دیا کرتے ہیں یہ غلط اور مسنون طریقہ کے خلاف ہے،

تحنیک!

یہ بھی مستحب ہی کہ مرد صالح چھوارہ یا کھجور چبا کر بچّہ کے تالو میں لگا دے، جسے اصطلاح میں "تحنیک،، کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اس کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا،

حضرت ابو طلحہؓ کا ایک مفصّل واقعہ حدیث میں آیا ہے، اس میں یہ بھی ہے

کہ حضرت ابو طلحہؓ کے گھر میں جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو وہ اسے لیکر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، ساتھ سوکھی کھجوریں بھی لے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو گود میں لیا اور دریافت فرمایا کہ تمھارے ساتھ کچھ ہے بھی؟ انھوں نے کہا جی ہاں! چند سوکھی کھجوریں ہیں، آپؐ نے ان کو لیا،

فمضغها ثم اخذ من فيه فجعلها في الصبي وحنكه وسماه عبد الله، (بخاری باب تسمیۃ المولود وتحنیکه ص ۸۲۱ ج ۲)	"پھر اُسے چبایا پھر اُسے اپنے دہن مبارک سے نکال کر بچہ کے مُنہ میں ڈالا اور اُسے تالو میں لگایا، اور اس بچہ کا نام عبد اللہ رکھا"

آنحضرتؐ کا دستور

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ جس زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ میرے شکم میں تھے جب اُن کی پیدائش کا دن قریب آیا تو میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آگئی، قباء میں قیام رہا، چنانچہ یہ یہیں پیدا ہوئے، اُن کو لے کر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور بچہ کو آپؐ کی پاک گود میں ڈال دیا، پھر آپؐ نے کھجور مانگی، اُسے چبایا پھر اپنا لعابِ دہن بچہ کے منھ میں ڈالا، اور سب سے پہلی چیز یہی اس کے پیٹ میں پہونچی، پھر تالو میں اُسے لگا دیا، اور دعاء برکت فرمائی، (بخاری باب تسمیۃ المولود وتحنیکہ، ص ۸۲۱ ج ۲)

حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں:-

وُلِدَ لِي وَلَدٌ فَاَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ	"میرے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا میں اسے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَمَّاہُ اِبْرَاہِیْمَ فَحَنَّکَہٗ وَدَعَا لَہٗ بِالْبَرَکَۃِ وَدَفَعَہٗ اِلَیَّ، (بخاری، ص ۸۲۱ ج ۲)	لے کر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، آپؐ نے اس کا نام ابراہیم تجویز فرمایا، برکت کی دعا، کی اور چھوارا چبا کر تالو میں لگایا، اور اس کو میرے سپرد کر دیا،

تحنیک کون کرے؟

محدثین نے تحنیک کے سلسلہ میں تصریح کی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی مردِ صالح یہ کام انجام دے،

کَذَا فِی الْفَتْحِ فِیْ اِسْتِحْبَابِ تَحْنِیْکِ الْمَوْلُوْدِ عِنْدَ الْوِلَادَۃِ وَحَمْلِہٖ اِلٰی صَالِحٍ یُحَنِّکُہٗ، (حاشیہ بخاری ص ۸۲۲ ج ۲)	"فتح الباری میں ایسا ہی ہے کہ مستحب پیدائش کے وقت چھوارا چبا کر تالو میں لگانے کا کام کسی نیک صالح کے سپرد کیا جاتے،"

تحنیک کی حکمت

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ چھوہارا چبا کر لگانے کی وجہ یہ ہے کہ اسے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچے کو حلاوتِ ایمان کی دولت سے مالا مال کرتا رہے،

تالو میں لگانے کے لئے تو سب سے بہتر چیز تمر (چھوارا) ہی ہے، یہ میسّر

نہ ہو سکے تو پھر تر کھجور سے یہ کام لیا جائے، اور یہ بھی نہ ہو تو کوئی دوسری میٹھی چیز ہی سہی، لیکن ان دوسری چیزوں میں سب سے اچھی چیز شہد ہے، کوئی میٹھی چیز نہ مل سکے تو ایسی چیز جسے آگ نے نہ چھوا ہو،

(عمدۃ القاری، ص ۱۱۷، ج ۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کوئی بچہ کو آپکی خدمتِ اقدس میں لاتا تھا، آپؐ اس کے لئے دعاء فرماتے، جہاں اور دعائیں دیتے وہاں آپؐ یہ دعاء بھی پڑھتے تھے:-

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ بَرًّا تَقِیًّا وَاَنْبِتْہُ فِی الْاِسْلَامِ نَبَاتًا حَسَنًا (شرح شرعۃ الاسلام ص۴۵۵)	"اے اللہ تو اس بچہ کو خدا ترس اور نیکوکار بنا اور اسلام میں اسے اچھی طرح کی نشوونما عطا فرما"۔

چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ جب کوئی بچہ پہلے پہل دیکھنے کو دیا جائے یہ دعاء پڑھیں اور ساتھ ہی دوسری دعائے برکت دیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے،

بدعات سے اجتناب

ان تمام بدعات سے بچنا چاہئے جو پیدائش کے وقت عام طور پر عورتیں مشرکانہ رسمیں ادا کرتی ہیں، البتہ خوشی میں مٹھائی کی تقسیم اور اگر میسّر ہو تو احباب کی دعوت بلاشبہ جائز ہے، مگر اس طرح نہیں کہ اسے ضروری

سمجھا جائے اور قرض لے کر جس طرح بن پڑے پورا کیا جائے، اس سلسلہ کے بدعات کی تفصیل حضرت تھانویؒ کی کتاب "اصلاح الرسوم" میں دیکھ لی جائے،

بچوں کے لئے اچھے نام

پھر والدین کی ذمہ داری یہ ہی کہ بچہ کا اچھا نام رکھیں، بلکہ مستحب یہ ہی کہ کسی صالح اور پاک باطن سے رکھوائیں، علماء نے صراحت کی ہے:-

تَفْوِیْضُ التَّسْمِیَةِ اِلَی الصَّالِحِیْنَ (حاشیہ بخاری، ص ۸۲۲ج ۲)	"مستحب یہ ہی کہ نام تجویز کرنے کی ذمہ داری نیکوں کو سونپی جائے"،

نام کس دن رکھا جائے؟

نام کس دن رکھا جائے؟ اس سلسلہ میں مختلف روایتیں ہیں بعض میں صراحت ہے کہ ساتویں دن رکھا جائے، بعض روایتوں کا منشا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے دن رکھا جائے یا پھر جتنا جلد ممکن ہو،

حضرت ابو طلحہ رضؓ کے سلسلہ میں جو روایت نقل کی جاچکی ہے اس میں صراحت ہے کہ آپ نے تحنیک کی، یعنی چھوارا چبا کر تالو میں لگایا اور اسی وقت بچہ کا نام عبداللہ رکھ دیا،

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ رضؓ والی حدیث میں بھی صراحت ہے کہ آپؐ نے

اسی دن نام رکھ دیا، فَسَمَّاہُ اِبْرَاھِیْمَ اور انہی احادیث کے پیش نظر علماء نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ پیدائش ہی کے دن بچہ کا نام رکھ دیا جائے وَالتَّسْمِیَۃُ یَوْمَ وِلَادَتِہٖ (حاشیہ بخاری، ص ۸۲۲ ج ۲)

علّامہ عینیؒ کی صراحت

علّامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ بیہقیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ جس وقت بچہ پیدا ہو نام رکھ دیا جائے اور بھی محدثین کا نام انھوں نے لیا ہے، کہ ساتویں دن کا انتظار نہ کرے، جلد سے جلد نام رکھدے، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ احادیث ساتویں دن والی سے زیادہ قوی ہیں، (عینی شرح بخاری ص ۹۷ ج ۱۲)

نام ساتویں دن

حضرت عائشہؓ والی حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ و حسینؓ کا نام ساتویں دن رکھا،

حضرت عمرو بن شعیبؒ سے روایت ہے:۔

اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَسْمِیَۃِ الْمَوْلُوْدِ لِسَابِعِہٖ	"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ بچے کا نام ساتویں دن رکھا جائے"

(عمدۃ القاری، ص ۱۲، ۷ ج ۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے:

سَبْعَۃٌ مِّنَ السُّنَّۃِ فِی الصَّبِیِّ	"بچہ کے لئے سات چیزیں سنت ہیں،

يَوْمَ السَّابِعِ يُسَمّٰى وَيُخْتَتَنُ وَيُمَاطُ عَنْهُ الْاَذٰى الخ (جمع الفوائد، ص ۲۱۱/۲۷)	ساتویں دن نام رکھے، ختنہ کرے اور بال کٹوائے وغیرہ وغیرہ"۔

روایات میں تطبیق

یہ اور اس طرح کی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کا نام ساتویں دن رکھا جائے، جو عقیقہ کا دن ہے، ان دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ نام تو جلد سے جلد ہی رکھا جانا مسنون کہا جائے، مگر اس طرح کہ ساتویں دن سے آگے نہ بڑھنے پائے، آخری دن ساتواں ہے، تاکہ عقیقہ میں نام کی تعیین یقینی طور پر ہو جائے،

علماء نے تطبیق کی ایک صورت یہ بھی بیان کی ہے کہ اگر عقیقہ کا ارادہ نہ ہو تب تو پیدائش کے دن ہی نام رکھ دیا جائے، اور اگر عقیقہ کا ارادہ ہو تو نام کی تعیین ساتویں دن کی جائے،

اچھے نام کی تاکید اور اس کی وجہ

نام بہتر سے بہتر رکھنے کی سعی کی جائے، حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَائِكُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَكُمْ، رَوَاهُ	"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپ کے ناموں کے ساتھ بلائے جاؤ گے، لہٰذا اپنے نام عمدہ رکھا کرو"!

احمد و ابوداؤد (مشکوٰۃ باب الاسامی)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ایں خطاب است مر جمیع بنی آدم را پس پدراں نیز داخل باشند،	"یہ خطاب تمام بنی آدم کو ہے، لہٰذا اس میں والدین بھی داخل ہیں"

(اشعۃ اللمعات، ص ۵۳ ج ۴)

قیامت میں پکار ماں کے نام کے ساتھ اور اسکی وجہ

صاحبِ اشعۃ اللمعات نے یہاں اس روایت میں صراحت کی ہے کہ انسان قیامت کے دن باپ کے نام کے ساتھ فلاں ابن فلاں کہہ کر پکارا جائے گا اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا، اور اس کی حکمت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ زنا کی اولاد اس طرح شرمندگی اور رسوائی سے بچ جائے گی، باپ کا نام لینے میں چونکہ یہ منسوب ہوں گے غیر کی طرف جن سے اُن کی ماں کی آشنائی تھی اس لئے ایسا نہ ہوگا،

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس میں رعایت ملحوظ ہے، کہ آپ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے، اور ایک گونہ اس سے حضرت حسینؓ کا شرف و فضل بھی ظاہر ہوگا، کہ بواسطہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسب کا اظہار ہوگا،

دونوں روایتوں میں تطبیق

پھر آپ نے لکھا ہے کہ اگر ماں والی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو کہا جائے گا کہ یہاں تغلیباً آبائکم کہا گیا ہے، جس طرح ماں باپ کے لئے اَبَوَین کا لفظ استعمال کرتے ہیں، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی باپ کی طرف منسوب ہو کر بلائے جائیں اور کبھی ماں کی طرف منسوب ہو کر، یا بعض افراد باپ کے نام کے ساتھ پکارے جائیں اور بعض دوسرے ماں کی طرف نسبت کر کے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض مقامات میں باپ کی طرف نسبت کی جائے اور بعض مقامات میں ماں کی طرف (اشعۃ اللمعات، ص ۵۳ ج ۴)

عمدہ نام

خواہ جس کسی کی طرف نسبت کر کے وہ بلائے جائیں مگر اس کا خود نام بھی آئے گا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "نام عمدہ ہو" عمدہ نام کی تشریح بھی احادیث میں مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تُسَمَّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ، رواہ ابوداؤد،	تم انبیاء کرام کے ناموں کے ساتھ نام رکھا کرو، اور خدا تعالیٰ کو سب سے محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں"

(مشکوٰۃ باب الاسامی)

عمدہ اور بہترین نام جیسا کہ اس حدیث میں اور دوسری حدیث میں صراحت

ہے عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، اور اسی طرح وہ نام جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور بندہ کی عبدیت کا اظہار ہو، چنانچہ حاکم و طبرانی میں یہ حدیث موجود ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِذَا سَمَّيْتُمْ فَعَبِّدُوا أَيْ أَنْسِبُوا عُبُودِيَّتَهُمْ إِلَى أَسْمَاءِ اللّٰهِ، (مرقاۃ، ص ۵۹۹ ج ۴)	"جب تم نام رکھا کرو تو عبد کی نسبت کا اظہار کرو یعنی اُن کی عبودیت کو خدا کے ناموں کی طرف منسوب کرو"

انبیاءؑ کے ناموں پر نام؛

پھر ان ناموں کے بعد انبیاء کرام کے اسماء ہیں کہ بچوں کے نام ان کے نام پر رکھے جائیں، چونکہ یہ اشرف المخلوقات ہوتے ہیں اور معصوم، لہٰذا کسی نہ کسی درجے میں اُن کے نام کو بھی نسبتاً شرافت حاصل ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل ہیں، لہٰذا آپؐ کے نام پر بھی بچوں کا نام بہت بہتر ہے، آپؐ نے اپنے نام پر بھی نام رکھنے کا حکم فرمایا ہے، مگر اشتباہ کی وجہ سے اپنی حیاتِ طیبہؐ میں کنیت سے منع فرما دیا تھا، ارشادِ نبویؐ ہے:۔

تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي متفق علیہ، (مشکوٰۃ، ص ۴۰۷)	"میرے نام کے ساتھ نام رکھو مگر میری کنیت کے ساتھ کنیت نہ رکھو"

آنحضرتؐ کی کنیت و نام کا اجتماع؛

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بازار میں تھے، ایک شخص نے کہا "یا ابا القاسم" آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے، یہ دیکھ کر اس نے بتایا کہ میں اس دوسرے شخص کو مخاطب کر رہا تھا، اس موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھو، لیکن کنیت نہ رکھو، تاکہ اشتباہ نہ ہونے پائے، کوئی نام لے کر تو آپؐ کو مخاطب کرتا نہیں تھا، قرآن نے اس سے روک دیا تھا، کہ ایک طرح کی بے ادبی ہے، لیکن کنیت کے ساتھ مخاطب کرنے میں بے ادبی عرب میں نہیں سمجھی جاتی تھی،

اگر اشتباہ نہ ہوتا تو کنیت کے رکھنے کی ممانعت بھی نہ ہوتی، چنانچہ حدیث میں مذکور ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ ایک عورت آپکی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی، اور اس نے کہا کہ میرے بچہ ہوا ہے، میں نے اس کا نام محمدؐ رکھا ہے اور کنیت ابوالقاسم، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو یہ پسند نہیں ہے، (کیا یہ بات درست ہے؟) آپؐ نے فرمایا آخر وہ کیا بات ہے کہ میرا نام تو جائز ہوا اور میری کنیت پر کنیت حرام ہو گئی، یعنی ایسی بات نہیں ہے،

محمدؐ نام کی تعظیم

مختصر یہ کہ اس وقت اگر کوئی آپؐ کے نام پر نام رکھے یا آپؐ کی جیسی کنیت، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، محدثین و فقہاء دونوں نے اس کی صراحت کی ہے، اِلّا ما شاء اللہ، مگر اس نام کی تعظیم ضروری ہے، خطیب نے یہ روایت نقل کی ہے:-

عَنْ عَلِیٍّؓ مَرْفُوْعًا اِذَا سَمَّیْتُمْ	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً

اَلْوَلَدَ مُحَمَّدًا فَاَکْرِمُوْهُ وَ اَوْسِعُوْا لَهُ الْمَجْلِسَ وَلَا تُقَبِّحُوْا لَهُ وَجْهًا،

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۵۹۹ ج ۴)

روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم لڑکے کا نام محمدؐ رکھو تو اس کی عزت کرو اور اسے مجلس میں جگہ دو اور اس کے لئے مُنہ نہ بگاڑو"۔

بُرے نام کی ممانعت

انبیاء کرام اور عبداللہ و عبدالرحمٰن وغیرہ کے علاوہ دوسرے ایسے نام بھی رکھے جاسکتے ہیں جن سے شرک کی بُو نہ آتی ہو، یا جن سے بُری بات کا یا بُری عادت کا اظہار نہ ہو، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے نام رکھنے سے منع فرماتے تھے، اور کوئی بُرا سا نام ہوتا تو آپؐ اسے اچھے نام سے بدل دیتے تھے،

عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُغَیِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِیْحَ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ، ص ۴۰۸)

"حضرت عائشہ رضؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بُرے نام کو بدل دیا کرتے تھے"۔

آنحضرتؐ کی طرف سے ناموں کی تبدیلی

کسی نے "عاص" نام رکھا، یا "اُصرم" تو آپؐ نے فوراً اسے بدل دیا، سعید بن المسیب رحؒ اپنے دادا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اُن کا نام "حزن" تھا، آپؐ کی خدمت میں جب وہ آئے تو آپؐ نے کہا، کیا نام ہے ؟ انھوں نے کہا میرا نام "حزن" ہے،

آپؐ نے فرمایا:

بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ، رواہ البخاری،	"بلکہ تمھارا نام "سہل" ہے"۔

(مشکوٰۃ، صفحہ ۴۹)

انھوں نے کہا جو نام میرے باپ نے میرا رکھا ہے اسے میں بدل نہیں سکتا،
ابن المسیب کا بیان ہے:

فَمَا زَالَتْ فِيْنَا الْحُزُوْنَةُ بَعْدُ، رواہ البخاری (ایضاً)	"اب تک ہم لوگوں میں حزن و ملال کے اثرات باقی ہیں"۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادت میں مکمل بحث کی ہے، کہ اسم و مسمّٰی میں جو مناسبت ہوتی ہے یعنی نام کا اس شخص پر عموماً جو اثر ہوا کرتا ہے اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ بہرحال یہ تو مسلّم ہے کہ جن ناموں سے جنگ و جدال، حزن و غم یا اس طرح کی کوئی اور بُو محسوس ہوتی ہو ان ناموں سے بچنا چاہیے،

کبر و غرور والے نام کی ممانعت

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ناموں سے بھی منع کیا ہے جن سے کبر و غرور کی بُو آتی ہو، آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا، بدترین نام یہ ہے کہ کوئی بچّہ کا نام "ملک الاملاک" رکھے، الفاظ یہ ہیں:

اَخْنَى الْاَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ، رواہ البخاری،	(بخاری باب ابغض الاسماء الی اللہ)	قیامت کے دن بدترین نام اللہ تعالیٰ کے یہاں اس شخص کا نام ہوگا جس کا نام شہنشاہ رکھا جائے"۔

مسلم شریف میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

اَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَخْبَثُهٗ رَجُلٌ كَانَ يُسَمّٰى مَلِكُ الْاَمْلَاكِ، لَا مُلْكَ اِلَّا لِلّٰهِ، (مشکوٰۃ، ص ۴۰۸)	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض اور خبیث ترین شخص وہ ہوگا جس کا نام ملک الاملاک (شہنشاہ) ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حکومت حاصل نہیں"

معلوم ہوا کہ ایسے نام جو صفاتِ الٰہیہ کے لئے مخصوص ہیں اُن کے ساتھ کسی انسان کا نام رکھنا درست نہیں ہے، شہنشاہ انسان نہیں ہو سکتا، اس لئے اس طرح کا نام ہرگز نہ رکھا جائے،

حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے اپنا نام عزیز رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو منع فرمادیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے، البتہ عبدالعزیز نام رکھنا درست ہوگا،

حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل باب ہی "الاسماء والکنیٰ" کے عنوان سے ہے. اس میں پوری تفصیل موجود ہے، یہاں اختصار پیشِ نظر ہے، اس لئے بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کیا جارہا ہے،

ملائکہ کے نام پر نام رکھنا

ملائکہ کے نام پر نام رکھنا مکروہ ہے، اس سے بھی بچنا چاہئے، مُلّا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں اس بات کی صراحت کی ہے، لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ملائکہ کے نام کے ساتھ نام رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، جیسے کہ کوئی جبرئیل نام

رکھدے اور اس کی تائید میں تاریخ بخاری سے یہ روایت نقل کی ہے،

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَرَّادٍ سَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تُسَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْمَلَائِكَةِ (مرقاۃ ص ۵۹۹ ج ۴)

"عبداللہ بن جرادؓ سے روایت ہے کہ انبیاء کے نام پر نام رکھو، اور فرشتوں کے نام پر نام نہ رکھو"

نام ساتویں دن شیخ محدث دہلویؒ کی نظر میں

نام کس دن رکھا جائے اس کی تفصیل اوپر علمی طور پر بیان کی جاچکی ہے، مگر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

اما تسمیۃ مولود ونام اوراسنت آنست کہ درروز ہفتم باشد چنانچہ درعقیقہ نیز سنت ہم چنیں است، ترمذی از ابن عمر آوردہ کہ پیغمبرؐ امر کرد بہ تسمیۃ مولود در روز ہفتم، (شرح سفرالسعادۃ، ص ۳۸۳)

"بچہ کے نام رکھنے میں سنت یہ ہے کہ ساتویں دن رکھا جائے جیسا کہ عقیقہ میں بھی یہی سنت ہے، ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن بچہ کے نام رکھنے کا حکم دیا"

ساتویں دن سے پہلے نام رکھنے کے متعلق علماء کی رائے

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

وَمِنْ حُقُوْقِ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُسَمِّيَهُ عِنْدَ الْوِلَادَةِ اَيْ

"بچہ کا باپ پر یہ بھی حق ہے کہ پیدائش کے وقت اس کا بہترین نام رکھے، یعنی

فِي الْيَوْمِ السَّابِعِ لَا قَبْلَهُ صَرَّحَ بِهٖ فِي شَرْحِ الْمَصَابِيحِ اَحْسَنَ الْاَسْمَاءِ، ص ۴۵۹،	ساتویں دن نہ کہ اس سے پہلے، شرح المصابیح میں اس کی صراحت کی ہے۔"

اصولِ حدیث کے پیشِ نظر یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ قولی حدیث کو ترجیح دی جائے اور نام ساتویں دن رکھا جائے، فقہاء نے بھی اسی کو مستحب لکھا ہے،

وَيُسْتَحَبُّ لِمَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ اَنْ يُّسَمِّيَهٗ يَوْمَ اُسْبُوْعِهٖ،	جس کے بچّہ پیدا ہو اس کے لئے مستحب ہو کہ اس کا نام ساتویں دن رکھے۔"

(رد المحتار، کتاب الاضحیۃ ص ۳۲۸ ج ۵)

نام میں غیر اللہ کی طرف نسبت جائز نہیں

ایسا نام ہرگز نہ رکھا جائے جس میں خدا کے سوا کسی اور کا بندہ ہونا معلوم ہو کہ یہ بالاتفاق حرام ہے، جیسے عبد عمر، عبد الکعب، عبد الحسن، عبد الحسین، بندۂ علی، اور اس طرح کا کوئی اور نام، ایسے نام رکھنے کہ جن کا تذکرہ اپنے نیک بندوں میں نہ خدا نے کیا ہو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ملے اور نہ مسلمانوں میں رائج ہوں مناسب نہیں ہے، ایسے نام سے پرہیز چاہیئے۔

عقیقہ اسلام کی نظر میں

والدین پر ایک حق اسلام کی طرف سے یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن وہ اپنے بچّہ کا عقیقہ کریں تاکہ وہ بہت ساری آفتوں اور مصائب سے اپنی آئندہ زندگی میں محفوظ رہے، اور اگر موت مقدّر ہو تو آخرت میں اپنے والدین کی شفاعت کا ذریعہ بن سکے،

عقیقہ مستحب ہے

عقیقہ مستحب ہے، یعنی قدرت اگر رکھتا ہے تو اسے ضرور کرنا چاہیئے، یوں گنجائش ہو کہ اگر وہ نہ کرے گا تو کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوگا، لیکن ایک بہتر چیز کا چھوڑنے والا کہا جائے گا، اس لئے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کا عقیقہ

ل حنفیہ جس حدیث سے استحباب ثابت کرتے ہیں یہ ہے:۔ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِیْقَۃِ فَقَالَ لَا اُحِبُّ الْعُقُوْقَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیَنْسُکُ اَحَدُنَا عَمَّنْ یُوْلَدُ لَہٗ فَقَالَ مَنْ اَحَبَّ مِنْکُمْ اَنْ یَّنْسُکَ عَنْ وَلَدِہٖ فَلْیَفْعَلْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُکَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِیَۃِ شَاۃٌ، (عینی شرح بخاری، ص ۱۱۷ ج ۹) عینی لکھتے ہیں: ھٰذَا اَیْدُلُّ عَلَی الْاِسْتِحْبَابِ (ایضًا) یہ استحباب کی دلیل ہے ۱۲ ظفیر الدین،

کیا تھا جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، نیز تمام امت کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنے بچّوں کا عقیقہ کیا کریں، بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ خود اپنا عقیقہ بھی آپؐ نے بعد نبوّت کیا تھا،

حضرت سلمان ابنِ عامر الضّبیؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَاَمِيْطُوْا عَنْهُ اَذًى،	"لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہی، لہٰذا اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے اذیت دور کرو"

(مشکوٰۃ باب العقیقہ ص ۳۶۲)

ایذاء کی چیز دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے سر کے بال مُنڈا دو اور پیدا ہونے کے وقت جو آلائش ہو اُسے اُسی وقت صاف کرو، اور یہ بھی منشاء ہو سکتا ہے کہ اس طرح بچّے سے اُن اذیّتوں کا دفعیہ کرو جو پیش آنیوالی ہیں،

تحقیق لفظِ عقیقہ

عقیقہ کے معنی لغت میں اُن بالوں کے ہیں جو بچّہ کے سر پر پہلے پہل ہوتے ہیں؛ یوں تو انسان وحیوان کے بچّے کے عام بال کو بھی کہتے ہیں چونکہ اس بال کے مونڈنے کے ساتھ جانور بھی ذبح ہوتا ہے، اس لئے عرفِ عام میں جانور کے ذبح کرنے کو ہی عقیقہ کہا جانے لگا، مختصر یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں وضاحت کے ساتھ ۲ چیز کا حکم دیا گیا ہے، ایک جانور ذبح کرنے کا جسے فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دوسرے بچّہ کے سر کے بال اترولنے کا جسے

اَمِیْطُوْا عَنْہُ اَذًی، سے ظاہر کیا گیا ہے،

عقیقہ میں جانور

حضرت اُمِّ کرزؓ کی حدیث میں تشریح ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ:

عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اِنَاثًا رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی (مشکوٰۃ باب العقیقۃ ص ۳۶۲)

(عقیقہ میں) لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک، اور تمہارے لئے نقصان دہ نہیں ہیں کہ وہ نر ہوں یا مادہ

یعنی اگر لڑکا ہو تو اس کی طرف سے عقیقہ میں دو بکریاں ذبح کی جائیں اور اگر لڑکی ہو تو ایک، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جانور نر ہی ہو، بلکہ بکری کی جگہ بکرا بھی کیا جا سکتا ہے، ادائیگی استحباب میں دونوں برابر ہیں، جو آسانی سے فراہم ہو جائے، یا جس کو عقیقہ کرنے والا پسند کرے،

مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ

وَفِيْهِ اِشْعَارٌ بِاَنَّ نَحْوَ شَاةٍ وَنَمْلَةٍ وَحَمَامَةٍ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ وَاِنَّمَا يَتَبَيَّنُ الْمُرَادُ بِاِنْضِمَامِ الْقَرِيْنَةِ (مرقاۃ ص ۳۵۷ ج ۴)

"اس حدیث میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شاۃ، نملہ اور حمامہ کے جیسے الفاظ مذکر و مؤنث دونوں میں مشترک طور پر استعمال ہوتے ہیں، مذکر و مؤنث کی تعیین قرینہ سے ہوتی ہے "

عقیقہ کی اہمیّت

عقیقہ کی اہمیّت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتائی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهٗ	"لڑکا عقیقہ کے ساتھ گروی ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے عقیقہ میں جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال مونڈے جائیں"،
رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد (مشکوٰۃ باب العقیقہ ص۳۶۲)	

عقیقہ کے فوائد

عقیقہ کے ساتھ گروی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سلامتی اور آفات و حوادث سے اس کی حفاظت کا بڑی حد تک عقیقہ پر دار و مدار ہے، مُلّا علی قاریؒ نے کئی معنی بیان کئے ہیں، لکھتے ہیں:-

يَعْنِيْ اَنَّهٗ مَحْبُوْسٌ سَلَامَتُهٗ عَنِ الْآفَاتِ بِهَا اَوْ اِنَّهٗ كَالشَّيْءِ الْمَرْهُوْنِ لَا يَتِمُّ الْاِسْتِمْتَاعُ بِهٖ دُوْنَ اَنْ يُقَابَلَ بِهَا لِاَنَّهٗ نِعْمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى وَالِدَيْهِ فَلَا بُدَّ لَهُمَا مِنَ الشُّكْرِ عَلَيْهِ، (مرقات ج۴ ص۳۵۶)	"یعنی اس کی سلامتی آفات و حوادث سے عقیقہ پر موقوف ہے، یا وہ مثل ایسی گرو رکھی ہوئی چیز کے ہے جس سے پورا فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی والدین پر ایک نعمت ہے جس کا شکریہ اُن پر ضروری ہے"،

عقیقہ اور شفاعتِ والدین

تیسرے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ گروہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ اگر بغیر عقیقہ کے مرگیا تو وہ اس حدیث کے حکم میں داخل نہیں ہوگا جس میں آیا ہے کہ لڑکا مرنے کے بعد اپنے والدین کے لئے باعثِ شفاعت ہے، اور بعض علماء نے سب سے بہتر اسی معنی کو قرار دیا ہے،

وَاَجْوَدُهَا مَاقَالَهُ اَحْمَدُ بْنِ حَنْبَلٍ مَعْنَاهُ اَنَّهُ اِذَا مَاتَ طِفْلًا وَلَمْ يُعَقَّ عَنْهُ لَمْ يَشْفَعْ فِيْ وَالِدَيْه
(مرقاۃ، ص ۳۵۷ ج ۴)

"سب سے عمدہ وہ معنی ہیں جسے امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کیا ہے، کہ ماحصل یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوا اور وہ بغیر عقیقہ کے مرجائے تو اپنے والدین کی شفاعت نہ کرے گا"،

عقیقہ اور صحت و راحت

تورپشتی نے اس معنی کی مخالفت کی ہے وہ پہلے معنی پر زور دیتے ہیں، اچھا یہ ہے کہ دونوں معنی مراد لئے جائیں کہ جس طرح دنیا میں صحت و راحت اور نعمت کا کامل شکر یہ عقیقہ سے وابستہ ہے، اسی طرح آخرت میں اس کے والدین کے لئے ذریعۂ شفاعت قرار پانا بھی اسی سے متعلق ہے، گویا بچہ کی اپنی بھلائی اور نشو ونما میں بھی عقیقہ کو دخل ہے، اور دوسروں کے لئے مفید ہونے میں بھی، اس حدیث مذکور سے عقیقہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کس قدر مفید اور نفع بخش ہے،

ایک دوسری حدیث میں ہے:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِیْقَۃِ فَقَالَ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْعُقُوْقَ وَقَالَ مَنْ وُلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ یَّنْسُکَ عَنْہُ فَلْیَنْسُکْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَیْنِ وَعَنِ الْجَارِیَۃِ شَاۃً رواہ ابوداؤد والنسائی، (مشکوٰۃ باب العقیقہ ص۳۶۳)

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بچّہ میں نافرمانی پسند نہیں کرتا اور فرمایا کہ جس کے بچّہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ میں دو بکری کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک"۔

عقیقہ کو حُسنِ ادب میں دخل

منشاء یہ ہے کہ اگر باپ چاہتا ہے کہ اس کا بچّہ آگے چل کر اطاعت گزار اور فرمانبردار بنے، گستاخی اور نافرمانی سے دُور رہے، اور اس میں حُسنِ ادب کی جلوہ گری ہو، تو پھر اُسے عقیقہ میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے، اگر یہاں عقیقہ میں اس کی طرف سے عقوق یعنی نافرمانی ہوگی تو جب بچّہ بڑا ہوگا اس کی طرف سے بھی گستاخی کے مظاہرے دیکھنے میں آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا، کہ ایسی نوبت کسی باپ کو پیش آئے،

مُلّا علی قاری کی صراحت

مُلّا علی قاریؒ اس حدیث کے ابتدائی جملوں کا مفہوم بیان کرتے ہوئے

رقمطراز ہیں:۔

اَیْ فَمَنْ شَاءَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ وَلَدُہٗ عَاقًّا لَّہٗ فِیْ کِبَرِہٖ فَلْیَذْبَحْ عَنْہُ عَقِیْقَۃً فِیْ صِغَرِہٖ لِاَنَّ عُقُوْقَ الْوَالِدِ یُوْرِثُ عُقُوْقَ الْوَلَدِ وَلَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْعُقُوْقَ،

(مرقاۃ صفحہ ۳۵۹ ج ۴)

"یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد سنِّ شعور کو پہونچ کر نافرمان نہ ثابت ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کا بچپنے میں عقیقہ کرے، اس لئے کہ عقیقہ میں باپ کی نافرمانی یعنی اس کا عقیقہ نہ کرنا اولاد میں نافرمانی کے جذبات پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عقوق و نافرمانی کو پسند نہیں کرتا"۔

اس تمہید کے بعد اصل منشاء حدیث میں فَلْیَنْسُکْ سے بیان کیا گیا ہے کہ اُسے عقیقہ کرنا چاہئے،

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْعُقُوْقَ کے معنی بیان کرتے ہوئے صاحبِ مرقاۃ لکھتے ہیں:

فَقَالَ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْعُقُوْقَ اَیْ تَرْکُ ذٰلِکَ مِنَ الْوَالِدِ مَعَ قُدْرَتِہٖ عَلَیْہِ یُشْبِہُ اِضَاعَۃَ الْمَوْلُوْدِ حَقَّ اَبَوَیْہِ وَلَا یُحِبُّ اللّٰہُ ذٰلِکَ، (مرقاۃ ص ۳۵۹ ج ۴)

"آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عقوق یعنی قدرت کے باوجود باپ کے لئے عقیقہ کا ترک پسند نہیں کرتا ہے جو کہ اولاد کا اپنے والدین کے حق کو ضائع کر دینا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا"۔

راوی کی زیادتی اور اسکی حقیقت

صفحہ ۴۳ پر مذکورہ حدیث میں راوی کا یہ اضافہ ہے :۔

كَاَنَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمُ ،	گویا کہ آپنے نام پسند نہیں کیا ،،

(مشکوٰۃ باب العقیقۃ ص ۲۹۳)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ عقیقہ کے ساتھ اس رسم دینی کا نام رکھنا پسند نہیں فرمایا، یہ راوی کی زیادتِی رائے ہے، اور اس باب کی تمام احادیث کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ راوی یا جن لوگوں نے اس رائے کی موافقت کی ہے وہ صحیح مفہوم سے دُور جا پڑے ہیں، صحیح مفہوم وہی ہے جس کی تعبیر اوپر صاحبِ مرقاۃ نے کی ہے، آپ خود پڑھ آئے کہ مختلف حدیثوں میں لفظ عقیقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا ہے، پھر ناگوار خاطر کی بات کسی طرح عقل و فہم میں نہیں آتی،

علّامہ تورپشتیؒ کا رُجحان

علّامہ تورپشتیؒ نے بھی اس کا رَد کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

هُوَ كَلَامٌ غَيْرُ سَدِيْدٍ لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الْعَقِيْقَةَ فِي عِدَّةِ اَحَادِيْثَ وَلَوْ كَانَ يَكْرَهُ الْاِسْمَ لَعَدَلَ	”یہ کہنا درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حدیثوں میں عقیقہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اگر یہ نام ناگوارِ خاطر ہوتا تو اسے

عَنْهُ بِغَيْرِهٖ وَمِنْ عَادَتِهٖ تَغْيِيْرُ الْاِسْمِ اِذَا كَرِهَهٗ ،

(مرقاۃ، ص ۳۵۹ ج ۴)

دوسرے نام سے بدل دیتے، جیسا کہ اس سلسلہ میں آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی نام ناپسند ہوتا اسے بدل دیتے ۔،

لڑکے کے لئے دو بکرے یا بکریوں کا استحباب

اوپر کی ان دونوں حدیثوں میں اس کی صراحت ہے، کہ آپؐ نے لڑکوں کے لئے دو بکرے یا بکریوں کا حکم فرمایا ہے، اور لڑکیوں کے لئے ایک بکرا یا بکری کا، اور اسی وجہ سے محققین علماء اسی طرف گئے ہیں کہ مستحب طریقہ یہی ہے، یوں اگر کوئی لڑکے کے عقیقہ میں ایک ہی بکرا ذبح کرے تو بھی گنجائش ہے، اس لئے کہ ابو داؤد کی روایت ہے،

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا (مشکوٰۃ، ص ۲۶۳)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ وحسینؓ کی طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھا ذبح کیا،،

اور نسائی میں کبشین کبشین کا لفظ آیا ہے، یعنی پہلی روایت کا منشا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ وحسینؓ کی طرف سے ایک ایک مینڈھا کیا، اور دوسری روایت میں دو دو کی صراحت ہے، اس لئے فقہاء نے ایک کو جائز قرار دیا ہے، اور دو کو مستحب کہا ہے، تاکہ دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت پیدا ہو جائے،

شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ کی صراحت

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

ولکن حدیث عن الغلام شاتان اقوی واصح است زیرا کہ جماعتے از اکابر صحابہ آں را روایت می کنند، ترمذی گفتہ دریں باب حدیث از علیؓ و عائشہؓ وام کرزؓ وبریدہؓ وابی ہریرہؓ وعبد اللہ بن عمرؓ وانسؓ وسلمانؓ بن عامر وابن عباسؓ آمدہ وحدیث ام کرزؓ حسن صحیح است وعمل بریں است نزد اہلِ علم،

"لیکن جس حدیث میں لڑکے کے لئے عقیقہ میں ۲ دو بکری ذبح کرنے کا حکم ہے وہ زیادہ قوی اور صحیح ہے، اس وجہ سے کہ اکابر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اسکی راوی ہے، ترمذیؒ نے بیان کیا کہ اس باب میں حضرت علیؓ و عائشہؓ، اُمِ کرزؓ بریدہؓ، ابی ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انسؓ، سلمان بن عامرؓ اور ابن عباسؓ سے حدیث آئی ہے، اور ان حدیثوں میں اُمِ کرزؓ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اہلِ علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے"۔

(شرح سفر السعادت، ص ۳۸۲)

۲ دو کے استحباب کی وجہ

دوسری اصولی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

ووجہ دیگر در ترجیح ذبح دو شاۃ از پسراں کہ قولِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از فعل اقوی واتم است، چہ فعل احتمال اختصاص

"لڑکے کی طرف سے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنے کا جس حدیث میں حکم آیا ہے اس کی دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول آپؐ کے فعل سے اقوی واتم ہے، اس وجہ سے کہ فعل میں

بحضرت نبوّت دارد، بخلاف قول کہ اختصاص ندارد بہ یکے از آحاد امّت،

آپؐ کی ذات کے ساتھ اختصاص کا احتمال ہے، بخلاف قول کے کہ اس میں کسی کے ساتھ اختصاص کا کوئی احتمال نہیں ہے"

اصولِ حدیث میں یہ بات طے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اختصاص کا احتمال رکھتا ہے، مثلاً صومِ وصال اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں، مگر قول میں اس طرح کا کوئی احتمال نہیں رہتا، پھر اس کے علاوہ زیادہ سے زیادہ جواز پر دلالت کرتا ہے، مگر قول کم سے کم استحباب پر،

آنحضرتؐ کے قول و فعل کی دلالت

خود حضرت شیخ دھلویؒ لکھتے ہیں؛

دیگر آں کہ فعل دال است بر جواز، چہ فعل پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حرام مکروہ نہ بود، وقول دال است بر استحباب، چہ ادنیٰ امر وطلب شارع ندبِ استحباب است، (ایضاً)

"دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل جواز کو بتاتا ہے اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ کا فعل حرام اور مکروہ نہیں ہوتا ہے اور قول استحباب پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ حضرت شارعؑ کے امر وطلب کا درجہ کم سے کم استحباب ہے"

دو کی ترجیح اور اُس کی وجوہ

شرح سفر السّعادت میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسنینؓ کے عقیقہ کا واقعہ ام کرزؓ والی حدیث سے پہلے کا ہے، اس لئے کہ غزوۂ اُحد کے سال حضرت حسنؓ کی پیدائش

ہے، اور اس کے دوسرے سال حضرت حسینؓ کی، اور اُمّ کرزؓ کی حدیث حدیبیہ کے سال سے متعلق ہے، اور یہ اصول ہے کہ بعد والی چیز پہلی کے لئے ناسخ کا حکم رکھتی ہے، پھر عقلی طور پر بھی لڑکے کے لئے دو بکری والی حدیث کو ہی راجح قرار دینا چاہئے، اس لئے کہ لڑکے کو لڑکی پر میراث میں فضیلت حاصل ہے، ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصّہ کے برابر دیا گیا ہے، لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ارشادِ ربّانی ہے، یہی حال شہادت والے مسئلہ میں ہے، کہ ایک مرد کو دو عورت کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے،

علاوہ ازیں دوسرے مسئلوں میں بھی مرد کو عورت پر فضیلت بخشی گئی ہے، یہ اور اس طرح کے دوسرے وجوہ شرعی کے پیش نظر یہ بات محقق معلوم ہوتی ہے کہ لڑکے کی طرف سے ۲ دو بکرے عقیقہ میں کئے جانے بہتر ہیں، اگرچہ ایک بھی درست ہے،

مُلّا علی قاریؒ کی صراحت

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

اَمَّا الْغُلَامُ فَیَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ اَقَلَّ النَّدْبِ فِیْ حَقِّہٖ عَقِیْقَۃٌ وَاحِدَۃٌ وَکَمَالُہٗ اِثْنَتَانِ (مرقاۃ ص۳۵۹ ج۴)	"لڑکے کے حق میں کم سے کم مستحب ایک بکرا ہی، اور درجۂ کمال ۲ دو میں ہے۔"

پھر جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنینؓ کی طرف سے ایک ایک بکرا عقیقہ میں ذبح کیا، اُس کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ

ممکن ہے کہ ایک پیدائش کے دن کیا ہو اور دوسرا عقیقہ کے دن، یا ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو، اور ایک حضرت علیؓ یا حضرت فاطمہؓ نے، اس طرح دو ہو گئے،

عقیقہ میں ایک اور حکمت

عقیقہ کی جہاں اور وجہیں بیان کی گئی ہیں، عقلاً اس میں ایک یہ بھی فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہر باپ کو عملی تعلیم دینا چاہتا ہے کہ وہ بچوں کی تربیت میں مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے اور ساتھ ہی اسکی صفائی کا بھی لحاظ و خیال رکھے،

عقیقہ میں بچے کے بال اُتروانا اور اُس کے برابر چاندی کا صدقہ

جانور کے ذبح کرنے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم فرمایا کہ اس کے بال مُنڈوائے جائیں، اور اس کے برابر چاندی یا سونا خیرات کیا جائے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :-

عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ احْلِقِيْ رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً فَوَزَنَاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ (مشکوٰۃ باب العقیقۃ)

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کی طرف سے ایک بکرا عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ اے فاطمہؓ! اس کے سر کے بال مُنڈوا دے اور اس کے برابر چاندی صدقہ کر دے، پس ہم نے اسے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر ہوا یا کچھ کم"!

حضرت فاطمہؓ کا عمل؛

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے تمام بچوں میں ایسا ہی کیا؛

اِنَّ فَاطِمَۃَ وَزَنَتْ شَعْرَ الْحَسَنِؓ وَالْحُسَیْنِؓ وَزَیْنَبَؓ وَاُمِّ کُلْثُوْمٍؓ وَتَصَدَّقَتْ بِزِنَۃِ ذٰلِکَ فِضَّۃً

"حضرت فاطمہؓ نے حضرت حسنؓ وحسینؓ وزینبؓ اور اُم کلثومؓ کے بال وزن کئے اور اُس کے برابر چاندی صدقہ کی؛"

(جمع الفوائد، ص ۲۱۱ ج ۱)

سر پر زعفران یا صندل مالش

اور سر مونڈ کر اس کے سر پر زعفران یا صندل مَلا جائے،

عَنْ بُرَیْدَۃَؓ قَالَ کُنَّا فِی الْجَاہِلِیَّۃِ اِذَا وُلِدَ لِاَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاۃً وَلَطَخَ رَأْسَہٗ بِدَمِہَا فَلَمَّا جَاءَ الْاِسْلَامُ کُنَّا نَذْبَحُ الشَّاۃَ یَوْمَ السَّابِعِ وَنَحْلُقُ رَأْسَہٗ وَنُلَطِّخُہٗ بِزَعْفَرَانٍ، رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ، ص ۳۶۳)

"حضرت بریدہؓ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی کے ہم میں سے بچہ ہوتا تو وہ بکرا ذبح کرتا، اور اُس کا خون بچہ کے سر میں لتھیڑ دیتا، مگر جب اسلام آیا تو ہمارا یہ دستور ہوگیا ہے کہ ساتویں دن ہم اس کے عقیقہ میں بکرا ذبح کرتے ہیں، اور سر مونڈ کر زعفران مَل دیتے ہیں؛"

ساتویں دن عقیقہ نہ ہونے کی صورت میں بال کا حکم

اگر کوئی ساتویں دن جو عقیقہ کا مستحب دن ہے جانور نہ ملنے کی وجہ سے یا اور کسی مجبوری کی وجہ سے عقیقہ نہ کر سکے تو بھی اسے چاہئے کہ ساتویں دن بال اُترواد ے اور اُس کے برابر چاندی خیرات کردے، عقیقہ بعد میں کرتا رہے، جس کی تفصیل آرہی ہے، اس لئے کہ حدیث میں حضرت انسؓ سے روایت ہے :۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِرَأْسِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ یَوْمَ سَابِعِھِمَا فَحَلَقَ ثُمَّ وَزَنَہٗ فِضَّۃً وَلَمْ یَجِدْ ذِبْحًا،

(جمع الفوائد، ص ۲۱۰ ج ۱)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ساتویں دن حسنؓ و حسینؓ کے بال حلق کردیئے جائیں، چنانچہ مونڈوادیا گیا، پھر اسے وزن کرکے اس کے برابر چاندی صدقہ کردیگئی اور آپؐ کو ذبح کیلئے جانور نہیں ملا"

ایسا ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حلق تو ساتویں دن ہوگیا اور بال برابر چاندی بھی صدقہ کر دی گئی، مگر عقیقہ بعد میں ہوا، اس لئے کہ کسی حدیث میں صراحت نہیں کہ دونوں ساتھ ساتھ ہوئے،

عقیقہ کس دن مستحب ہے؟

اس میں شبہ نہیں کہ مستحب یہی ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں گذر چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا :۔

تُذْبَحُ عَنْہُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُسَمّٰی وَیُحْلَقُ رَأْسُہٗ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ)

"کہ اسکی طرف سے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے اور نام رکھا جائے اور سر مونڈوادیا جائے"

ساتویں دن عقیقہ نہ ہوسکے تو کیا کریں؟

اور بھی حدیثوں میں ساتویں دن کی صراحت موجود ہے، جو اوپر نقل کی جاچکی ہے، البتہ اگر ساتویں دن میسّر نہ ہوسکے تو چودھویں دن یا اکیسویں دن، پھر اسی طرح سات سات کا اضافہ کرتا چلاجائے،

حضرت بریدہؓ سے مرفوع حدیث ہے:-

اَلْعَقِيْقَةُ بِسَبْعٍ اَوْ اَرْبَعَ عَشَرَةَ اَوْ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ لِلْاَوْسَطِ،	"عقیقہ ساتویں دن ہے یا چودھویں دن یا اکیسویں دن"

(جمع الفوائد، ص ۲۱ ج ۱)

صاحب عمدۃ القاری نے لکھا ہے:-

وَالْعَمَلُ هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّوْنَ اَنْ يُّذْبَحَ عَنِ الْغُلَامِ الْعَقِيْقَةُ يَوْمَ السَّابِعِ فَاِنْ لَّمْ يَتَهَيَّأْ يَوْمَ السَّابِعِ فَيَوْمَ الرَّابِعَ عَشَرَ فَاِنْ لَّمْ يَتَهَيَّأْ عَقَّ عَنْهُ يَوْمَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ	"اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے اور مستحب ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کا جانور ذبح کیا جائے اگر مہیا نہ ہوسکے تو چودھویں دن اور اگر اس دن بھی مہیا نہ ہوسکے تو اکیسویں دن عقیقہ کرے"

(عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۲۱۶ ج ۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ

اکیسویں دن نہ ہوسکے تو پھر اسی طرح سات سات کا اضافہ کرتا چلاجائے،

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبوّت ملنے کے بعد کیا، حضرت انسؓ کا بیان ہے:-

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِہٖ بَعْدَ مَا بُعِثَ نَبِیًّا،	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبی ہونے کے بعد کیا۔

للبزار والاوسط (جمع الفوائد، ص ۲۱۱ ج ۱)

عقیقہ چھوڑا نہ جائے صاحب شرعۃ الاسلام نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

وَفِیْہِ تَنْبِیْہٌ عَلٰی اَنَّھَا لَا تَسْقُطُ بِالْفَوْتِ عَنِ الْوَقْتِ الْمَعْھُوْدِ، ۱۲	"اس میں تنبیہ ہے کہ وقت گذر جانے سے عقیقہ ساقط نہیں ہوتا"۔

معلوم ہوا کہ اگر ساتویں دن کوئی کسی وجہ سے عقیقہ کی قدرت نہ رکھتا ہو تو بعد میں سات سات دن کے اضافہ کے حساب سے جب ممکن ہو عقیقہ کردے، خواہ سات برس یا پچاس برس ہوجائیں،

دُعائے عقیقہ

عقیقہ کرنے کے وقت یہ دُعا پڑھی جائے

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ۔	"اے اللہ! یہ عقیقہ فلاں کا ہے (فلاں کی جگہ نام لے) اس (جانور) کا خون اس (فلاں) کے خون کے بدلے، اس کا گوشت اس کے گوشت کے بدلے، اس کی ہڈی

لہ اس حدیث کے سلسلہ میں شرح سفر السعادت میں ہے: "اما در اسنادِ آں حدیث ضعفے است وخالی از بعدے ہم نیست (ص ۳۸۳) ظفیر

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِابْنِ فُلَانٍ مِنَ النَّارِ (شرح شرعۃ الاسلام ص۲۵۵)

اس کی ہڈی کے بدلے، اس کی کھال اس کی کھال کے بدلے، اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے قبول کرلے، اور اس جانور کو فلاںؔ کے بیٹے کا فدیہ بنادے جہنّم کی آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے)

جانور کے ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہ

حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِذْبَحُوْا عَلٰی اسْمِہٖ وَقُوْلُوْا بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْکَ وَلَکَ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ فُلَانٍ (جمع الفوائد ص۳۲ ج۱)

"اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرو، اور کہو بسم اللہ اللہ اکبر منک ولک ھٰذہ عقیقۃ فلان، یعنی یہ فلاں کا عقیقہ ہے"

امام اعظمؒ کی طرف ایک غلط انتساب

عقیقہ کے سلسلہ میں بعض جزئیات کے بیان سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات صاف کردی جائے کہ جن لوگوں نے عقیقہ کے بدعت ہونیکی نسبت حضرت امام ابوحنیفہ رحؒ کی طرف کی ہے وہ صحیح نہیں ہے علّامہ عینیؒ لکھتے ہیں:۔

وَالَّذِیْ نُقِلَ عَنْہُ اَنَّھَا بِدْعَۃٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رحؒ، قُلْتُ ھٰذَا

"جن لوگوں نے نقل کیا ہے کہ عقیقہ امام اعظمؒ کے نزدیک بدعت ہے،

ے لڑکے کے بجائے لڑکی ہو تو لڑکی کا نام لے اور ابن کی جگہ بنت کہے اور مذکر کی ضمیر کو مؤنث سے بدل دے،

اِفْتِرَاءٌ فَلَا يَجُوْزُ نِسْبَتُهٗ اِلٰى اَبِىْ حَنِيْفَةَ رض وَحَاشَا اَنْ يَّقُوْلَ مِثْلَ هٰذَا وَاِنَّمَا قَالَ لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ فَمُرَادُهٗ اِمَّا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ ثَابِتَةٍ وَاِمَّا لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ مُّؤَكَّدَةٍ

(عمدۃ القاری ص ۱۱/۷ ۹۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ سراسر افترا ہے اس کی نسبت امام اعظم رح کی طرف درست نہیں ہے اور وہ اس سے پاک ہیں، کہ ایسی بات کہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عقیقہ سنت نہیں ہے، جس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ سنت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے"۔

اور یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آتی کہ امام اعظم رح اس عقیقہ کو بدعت کس طرح قرار دیدیں گے جس کا ثبوت کتبِ حدیث سے ظاہر د باہر ہے، یہ نسبت یا تو کسی نے غلطی سے کر دی ہے یا کسی مخالف مسلک کا کام ہے، جو ناسمجھی سے نقل ہوتا آرہا ہے،

بکرے اور بکری کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی

بکرے، بکری کے علاوہ ان جانوروں کا عقیقہ میں ذبح کرنا جائز ہے جن کا قربانی میں ذبح کرنا جائز ہے، اور جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں، ان کا عقیقہ بھی درست نہیں، پھر صفات جانور کے وہی عقیقہ میں بھی ہیں جو قربانی میں ہیں،

چنانچہ عقیقہ میں گائے، بیل، بھیڑ، اونٹ وغیرہ بھی ذبح ہو سکتے ہیں، اسی طرح جن جانوروں میں قربانی کے سات حصّے ہوتے ہیں، ان میں عقیقہ میں ایک حصّہ لڑکی کے لئے اور دو حصّہ لڑکے کے لئے درست ہے، بلکہ جس طرح لڑکے میں ایک بکرا بھی کافی ہو جاتا ہے، گائے وغیرہ کا ایک حصّہ بھی کفایت کر جائے گا،

قربانی کے ساتھ عقیقہ

ردّ المحتار میں صراحت ہے کہ اگر کوئی ایک ہی جانور میں قربانی بھی کرے اور عقیقہ بھی تو یہ درست ہوگا، مثلاً گائے، بیل، بھینس، بھینسا میں پانچ حصّے قربانی کے ہوں اور دو حصّے عقیقہ کے تو یہ جائز ہے،

عقیقہ کا گوشت

عقیقہ کے گوشت کا بھی وہی حکم ہے جو قربانی کے گوشت کا، یعنی تین حصّوں میں تقسیم کرکے ایک حصّہ غریبوں میں تقسیم کردے اور بقیہ دو حصّوں میں خود، دوست اور خویش و اقارب مل کر کھائیں، اور اگر کُل کا کُل خود ہی گھر میں رکھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے، مگر افضل طریقہ کے خلاف ہے، پھر جس طرح قربانی کا گوشت خود کھا سکتا ہے خویش و اقارب کو دے سکتا ہے اور دوسروں میں تقسیم کرسکتا ہے، عقیقہ میں بھی ایسا کرنا جائز ہے کہ عقیقہ کرنے والے کا پورا گھر یعنی بچّہ کے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، چچا، چچی، تمام رشتہ دار بخوشی کھا سکتے ہیں، کسی کے لئے بھی ناجائز نہیں، البتہ ایک ران قابلہ یعنی بچّہ جنانے والی (دایہ) کو دینا اچھا ہے، خواہ وہ مسلمہ ہو یا غیر مسلمہ،

عقیقہ کے جانور کی کھال

یہ البتہ بعض ائمہ نے لکھا ہے کہ عقیقہ میں اگر جانور کی ہڈی نہ توڑی جائے تو اچھا ہے یوں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں، عقیقہ کے جانور کی کھال کا بھی وہی حکم ہے جو قربانی کے جانور کا کہ اُسے دباغت دلوا کر اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، اور بیچنے کے بعد پیسے صدقہ کر ڈالے، اپنے مصرف میں نہ لائے،

عقیقہ کا جانور کون ذبح کرے؟

عقیقہ کا جانور لڑکے کے باپ کو خود ذبح کرنا چاہئے اگر وہ ذبح کرنا جانتا ہو، ورنہ قریبی رشتہ دار جیسے دادا، چچا وغیرہ، گو یہ بھی جائز ہے کہ ان رشتہ داروں کے علاوہ کوئی دوسرا ذبح کردے،

عقیقہ کے اخراجات

یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح لڑکے کے نان نفقہ اور پرورش کا بار باپ کے سر ہے اسی طرح عقیقہ کی ذمّہ داری بھی اسی کے سَر ہے، یہ خود اپنے مال سے عقیقہ کرے گا، البتہ اگر باپ تنگدست ہو تو مجبوری میں ماں عقیقہ کرے گی، بچّے کا مال عقیقہ میں خرچ نہیں کیا جائے گا،

جس طرح قربانی کا گوشت بیچنا ممنوع ہے عقیقہ کا گوشت بیچنا بھی ممنوع ہے، جس طرح قصّاب کو اجرت میں قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں، اسی طرح عقیقہ کا گوشت دینا بھی درست نہیں ہے، یوں غریب ہونے کی وجہ سے یا پڑوسی ہونے کی وجہ سے یا دوست ہونے کی وجہ سے یا اسی طرح کی کسی اور وجہ سے دینا درست ہوگا،

غلط رسوم سے اجتناب

عقیقہ میں جو خلافِ شریعت رسمیں ہیں اُن سے بچنا ضروری ہے، فضول خرچی، نام ونمود اور ریاء وشہرت کے لئے گھر لُٹانے سے بچنا چاہئے، یہ بات اچھی طرح یاد رکھی جائے کہ فضول رسموں کی وجہ سے ایک شرعی چیز بھاری بن جاتی ہے، اور اس کی انجام دہی ناممکن ہوجاتی ہے، لیکن

اگر کتاب و سنت کی روشنی میں یہی چیز انجام دی جائے تو کم سے کم پیسوں میں بڑی آسانی سے انجام پذیر ہو جاتی ہے، لہٰذا عقیقہ کو بھی سادہ طریقہ پر شریعت کے مطابق انجام دینا چاہئے، رشتہ داروں کی دعوت اور محلّے گاؤں میں کھانا تقسیم کرنے کی رسم کی وجہ سے نفسِ عقیقہ سے بچّہ کو ہرگز محروم نہیں کرنا چاہئے۔

ختنہ اور اس کی حیثیت

والدین پر ایک شرعی حق یہ بھی ہے کہ لڑکے کا ختنہ کرائے، ختنہ کے معنی ہیں بچہ کی شرمگاہ کے اگلے حصہ کی اوپر کی جھلّی کا کاٹنا جس سے اس کا سرا کھُل کر نکل آئے اور اس کی صفائی وغیرہ آسانی کے ساتھ ہو سکے،

ختنہ کا حکم حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث اوپر بھی گذر چکی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ بچّہ کے لئے ساتویں دن سات چیزیں سنت ہیں، (۱) عقیقہ کرنا (۲) نام رکھنا (۳) بال اُترانا وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح ختنہ کرانا بھی،

سَبْعَةٌ مِّنَ السُّنَّةِ فِي الصَّبِيِّ يَوْمَ السَّابِعِ يُسَمّٰى وَيُخْتَنُ وَيُمَاطُ عَنْهُ الْأَذٰى، الخ (جمع الفوائد ص۱۲)

ساتویں دن بچّہ کے سلسلہ میں سات سنتیں، نام رکھا جائے، ختنہ کیا جائے اور اس سے اذیت دُور کی جائے وغیرہ وغیرہ

نواسۂ رسول کا ختنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بچوں کا عقیقہ کرایا، نام رکھا، بال اترواۓ، اُن کے بال برابر چاندی صدقہ کی اور ان کا ختنہ کرایا، (جمع الفوائد، ص ۲۱۱ ج ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں فطرت سے متعلق چیزوں کی نشاندہی فرمائی ہے وہاں ان میں آپنے ختنہ کو بھی شمار کیا ہے (جمع الفوائد، ص ۳۱۳ ج ۱)

ختنہ کی اہمیت اسلام میں

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ختنہ سنت ہے، اور یہی اکثر ائمہ کا مذہب ہے، مگر یہ ایسی سنت ہے جو شعارِ اسلام کے درجہ میں ہے، اور جس کی ادائگی ضروری ہے، یعنی اگر کبھی کوئی آبادی اس سنت کے ترک پر اتفاق کرلے گی، تو اس سے جنگ کی جاۓ گی، اور امامِ وقت کا فریضہ ہوگا کہ اسے اس سنت کے اجراء پر مجبور کرے؛

وَالْخِتَانُ سُنَّةٌ كَمَا جَاءَ فِي الْخَبَرِ وَهُوَ مِنْ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ وَخَصَائِصِهٖ فَلَوِ اجْتَمَعَ أَهْلُ بَلَدٍ عَلٰى تَرْكِهٖ حَارَبَهُمُ الْإِمَامُ فَلَا يُتْرَكُ إِلَّا لِعُذْرٍ، (رد المحتار علی هامش رد المحتار، ردالمحتار ۳۴۹ ج ۵)

"ختنہ سنت ہے، جیساکہ حدیث میں آیا، لیکن یہ اسلام کے شعار وخصائص میں داخل ہے، لہٰذا اگر کسی شہر کے رہنے والے اُس کے ترک پر اتفاق کرلیں گے تو امامِ وقت ان سے جنگ کرے گا، پس معلوم ہوا کہ ختنہ سواۓ عذرِ معقول کے ترک نہیں کیاجاۓ گا"۔

حدیثِ نبویؐ ہے :۔

اَلْخِتَانُ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ وَمَكْرُمَةٌ لِلنِّسَآءِ (شرح سفر السعادۃ ص۳۵۴)

"ختنہ مردوں کے لئے سنت ہے اور عورتوں کے لئے باعثِ شرف۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ

صحیحین میں روایت ہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدوم نامی مقام میں اسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا تھا، چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے :۔

اِخْتَتَنَ اِبْرَاهِيْمُ بِالْقَدُوْمِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِخْتَتَنَ اِبْرَاهِيْمُ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً ،

"حضرت ابراہیمؑ نے قدوم نامی مقام پر ختنہ کیا اور ایک روایت میں ہی کہ اس وقت آپ کی عمر اسّی سال تھی۔"

صحیحین اور رزین کی ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہی کہ جس روایت میں اسّی سال کی عمر کا تذکرہ ہے اس کی مراد یہ ہے کہ نبوّت کے اسّی سال بعد آپ نے ختنہ کیا، اور جس روایت میں ایک سو بیس سال ہے اس کا منشا یہ ہے کہ اس وقت آپ کی کُل عمر پیدائش کے بعد سے ایک سو بیس سال کی ہوچکی تھی، علّامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں :۔

جُمِعَ بِاَنَّ الْاَوَّلَ مِنْ حِيْنِ النُّبُوَّةِ وَالثَّانِيْ مِنْ حِيْنِ الْوِلَادَةِ (ردّ المحتار، ص ۳۵۷ ج ۵)

"ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلی میں نبوّت کا اعتبار کیا گیا ہے اور دوسری میں پیدائش کا"

اس طرح پھر کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا ہے، یوں بحیثیت روایت پہلی حدیث اصح ہے،

وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ، (رد المحتار صفحہ ۳۵ ج ۵) | پہلی روایت اصح ہے "

ختنہ کی ابتداء

انبیاء اکثر مختون پیدا ہوئے، بلکہ کُل سوائے حضرت خلیل اللہ ابراہیمؑ کے اور ختنہ کی ابتداء انہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہے، حضرت ابن المسیبؒ کا بیان ہے:۔

كَانَ اِبْرَاهِيْمُ اَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَاَوَّلَ النَّاسِ اِخْتَتَنَ وَاَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَهٗ (جمع الفوائد، ص ۳۱۳ ج ۱)

حضرت ابراہیمؑ پہلے شخص ہیں جنھوں نے میزبانی کا شرف حاصل کیا، اور پہلے شخص ہیں جن کا ختنہ سب سے پہلے ہوا، اور لوگوں میں پہلے ہیں جنھوں نے مونچھ کتروائی "

ختنہ آنحضرتؐ کی نظر میں

ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو وہ کفر کے بال ترشوادے اور ختنہ کرے،

(شرح سفرالسعادت، ص ۳۸۴)

ختنہ کے فوائد

جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس سے اتنی بات نکھر کر سامنے آگئی ہو، کہ ختنہ ایک ایسا عظیم اسلامی شعار ہے جس کی ادائیگی مسلمانوں کا مخصوص شیوہ ہے، اس کے فوائد اہلِ علم نے مختلف انداز میں بیان کئے ہیں جس کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ انسان میں اس کی وجہ سے صفائی، پاکی، اور لذّت میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، شرح سفرالسعادت میں ہے:۔

امام فخرالدین رازی در حکمت شریعتِ ختان نکتہ گفتہ است کہ حشفہ چوں

"امام فخرالدین رازیؒ نے ختنہ کے مشروع ہونے کے سلسلہ میں نکتہ بیان

مستور بود، بقلفہ نرم بود وقوی بود لذتِ وے نزد مباشرت وچوں قطع کردہ شود پوست قلفہ درشت شود ولذت بسبب آں ضعیف گردد، وبالجملہ احساس لمس بسطح مستور اتم واکمل بود، از سطح مکشوف، چناں از حالِ لسان وشفتین تجربہ می کردد ولائقِ شریعت کہ وسط ومعتدل است میان جانبین افراط وتفریط، تقلیل وتعدیل لذت است نہ قطعِ آں مطلقاً ونہ افراط دراں وختان موجبِ اعتدال ست دراں، (شرح سفرالسعادت ص۳۸۴)

کیا ہے، وہ یہ کہ حشفہ جب تک جھلّی میں چھپا رہتا ہے نرم ہوتا ہے، اور مباشرت میں مرد کو زیادہ لذّت حاصل ہوتی ہے اور جب حشفہ کے اوپر کی جھلّی کاٹ دی جاتی ہے تو اس میں سختی آجاتی ہے اور اس سختی کی وجہ سے لذّت میں کمی واقع ہوجاتی ہے، مختصر یہ کہ چھپے ہوئے حصہ سے لمس میں لذّت کا احساس پورے طور پر ہوتا ہے باعتبار کھلے ہوئے حصہ کے، جیساکہ زبان اور ہونٹ کی حالت سے تجربہ کیا جاتا ہے اور اسلام ایک متوسط ومعتدل دین ہے جو افراط وتفریط کے درمیان ہے، یہ لذت میں اعتدال پیدا کرتا ہے، ختم نہیں کرتا اور ختنہ سے اعتدال پیدا ہوتا ہے نہ افراط وتفریط "

ختنہ سے ایک طرف مرد کی لذت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف عورت کی لذت میں، غیر مختون سے جو کمی رہتی تھی اس کا ازالہ ہوجاتا ہے، اور اس طرح یہ بھی اپنا پورا حق پالیتی ہے،

ختنہ کس عمر میں ہونا چاہئے؟

ختنہ کے فوائد اور بھی لوگوں نے لکھے ہیں، یہاں تفصیل میں جانا نہیں ہے، پہلے بعض حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ ختنہ کے متعلق فرمایا گیا کہ ساتویں دن مسنون ہے،

مکحول شامیؒ (تابعی) کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لڑکے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ختنہ ساتویں دن کیا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا تیرہویں سال میں، چنانچہ یہی طریقہ اُن کی اولاد میں باقی رہا، یعنی عام طور سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے خاندان میں اسی عمر میں ختنہ کراتے رہے،

حضرت حسنینؓ کا ختنہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَتَنَھُمَا لِسَبْعَۃِ اَیَّامٍ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنینؓ کا ختنہ ساتویں دن کرایا“

(جمع الفوائد، ص ۲۱۰ ج ۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ختنہ ساتویں دن ہونا چاہئے اور یہی مسنون ہے، اور تجربہ سے ایسا ہی کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ساتویں دن کا ختنہ بچّہ کے لئے آرام دہ ہوتا ہے، اور والد کے لئے بھی اچھا ہوتا ہے کہ وہ عقیقہ کے ساتھ اس ذمّہ داری سے بھی سبکدوش ہو جاتا ہے، اور بعض خاندانوں میں ساتویں ہی دن ختنہ کا رواج اب بھی ہے، چنانچہ خاکسار کے یہاں اس وقت یہی طریقہ رائج ہے،

لہ شرح سفر السعادت، ص ۳۸۴ ج ۱، ۱۲

ختنہ اس وقت ہو جب بچہ توانا ہوجائے

لیکن بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ وفاتِ نبویؐ کے وقت آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ کہا کہ اُس وقت میرا ختنہ ہوچکا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:۔

وَکَانُوْا لَا یَخْتِنُوْنَ الرَّجُلَ حَتّٰی یُدْرِکَ (للبخاری رجمع الفوائد ص ۳۱۳ ج ۱)

"وہ لوگ مرد کا ختنہ اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک وہ توانا نہ ہوجائے"

جس کا حاصل یہ ہے کہ بچہ جب خوب توانا و مضبوط ہوجاتا تھا تو صحابہ کرامؓ ختنہ کیا کرتے تھے، یعنی بالکل بچپنے میں ختنہ نہیں کرایا کرتے تھے،

وقتِ ختنہ کے سلسلہ میں فقہاء کی صراحت

بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ ختنہ کا مستحب وقت سات سال کی عمر سے بارہ سال کی عمر تک ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کرایا جائے،

اِبْتِدَاءُ الْوَقْتِ الْمُسْتَحَبِّ لِلْخِتَانِ مِنْ سَبْعِ سِنِیْنَ اِلٰی اثْنَتَیْ عَشَرَةَ سَنَةً وَھُوَ الْمُخْتَارُ وَقَالَ بَعْضُھُمْ یَجُوْزُ بَعْدَ سَبْعَةِ اَیَّامٍ مِنْ وَقْتِ الْوِلَادَةِ، (عالمگیری، ص ۳۶۷ ج ۵)

"ختنہ کا مستحب وقت سات سال کی عمر سے بارہ سال کی عمر تک ہے، اور یہی مختار ہے، اور بعضوں نے کہا کہ پیدائش سے ساتویں دن ختنہ کرنا بھی جائز ہے"

صاحبِ درمختار لکھتے ہیں:۔

وَوَقْتُهُ غَيْرُ مَعْلُوْمٍ وَقِيْلَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَقِيْلَ عَشْرٌ وَقِيْلَ أَقْصَاهُ اثْنَتَا عَشَرَةَ سَنَةً وَقِيْلَ الْعِبْرَةُ بِطَاقَتِهٖ وَهُوَ الْأَشْبَهُ،
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار)
(مسائل شتّٰی، ص ۳۴۷ ج ۵)

"ختنہ کا وقت معلوم نہیں ہے، البتہ بعضوں نے ختنہ کے لئے سات سال کی عمر بتائی ہے، بعضوں نے دس سال اور بعضوں نے کہا انتہائی عمر بارہ سال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ بچہ کی طاقت کا اعتبار ہے، اور یہی قول آخری فقہ کے مطابق ہے"

امام اعظمؒ سے متعین وقت کی روایت نہیں ہے،

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:۔

وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَؒ لَا عِلْمَ لِيْ بِوَقْتِهٖ وَلَمْ يُرْوَ عَنْهُمَا فِيْهِ شَيْءٌ فَلِذَا اخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ فِيْهِ،
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار)
(مسائل شتّٰی، ص ۳۴۷ ج ۵)

"امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ختنہ کا وقت کا مجھے علم نہیں ہے، اور صاحبینؒ سے بھی اس سلسلہ میں کوئی روایت منقول نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشائخ کا اس باب میں اختلاف ہے"

سات سال کی عمر میں ختنہ اور اس کی وجہ

فقہاء کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ ختنہ کا کوئی وقت امام اعظمؒ یا صاحبینؒ سے منقول نہیں ہے، جنھوں نے سات سال کی عمر میں کہا انھوں نے اس حدیث پر قیاس کیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلوٰۃِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا،	"اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں"۔

چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:۔

وَقِیْلَ سَبْعٌ لِاَنَّہٗ یُؤْمَرُ بِالصَّلوٰۃِ اِذَا بَلَغَہَا فَیُؤْمَرُ بِالْخِتَانِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَبْلَغَ فِی التَّنْظِیْفِ، (ایضًا)	"بعض نے سات سال کی عمر میں ختنہ کے لئے اس وجہ سے کہا کہ اس عمر میں نماز کا حکم ہے، لہٰذا اسی عمر میں ختنہ کا بھی حکم کیا جائیگا تاکہ نظافت پورے طور پر حاصل ہو سکے"۔

پھر خزانۃ الاکمل کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:۔

وَاِنْ کَانَ اَصْغَرَ مِنْہُ فَحَسَنٌ وَاِنْ کَانَ فَوْقَ ذٰلِکَ قَلِیْلًا فَلَا بَأْسَ بِہٖ، (ایضًا)	"اگر اس سے کم عمری میں ختنہ کرا دیا جائے تو اور بہتر ہے، اور اگر اس سے تھوڑی سی عمر بڑھ جائے تو بھی مضائقہ نہیں ہے"۔

دس اور ۱۲بارہ سال کی عمر میں ختنہ کا حکم اور اُس کی وجہ،

اور جن علماء نے دس سال کی عمر میں ختنہ تجویز کیا ہے انھوں نے حدیث کے دوسرے حصہ پر قیاس کیا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بچے جب دس سال کی عمر میں پہنچ جائیں تو نماز کے لئے اُن کو مارو"، چنانچہ شامی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، اور بارہ ۱۲ سال انتہاء قرار دینے کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ اس کے بعد بلوغ کی عمر شروع ہو جاتی ہے، یعنی بلوغ کی ابتداء اسی بارہ ۱۲ سال کی عمر سے شروع ہوتی ہے، چنانچہ بعض لڑکے اس عمر میں بالغ بھی ہو جاتے ہیں، اور فقہائے کرام نے بھی بلوغ کی

کمتر مدت اسی بارہ۱۲ سال کو قرار دیا ہے،

وَاَدْنٰی مُدَّتِہٖ لَہٗ اِثْنَتَا عَشَرَۃَ سَنَۃً (الدر المختار کتاب الحجر فصل بلوغ الغلام)	"لڑکے کے لئے بلوغ کی کم سے کم مدت بارہ۱۲ سال ہے"،

طاقت پر محمول کی وجہ

اور جن لوگوں نے طاقت پر اُسے محمول کیا ہے، اسے اشبہ اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ جس قدر جلد ہو جائے اچھا ہے، تاخیر کی وجہ فقہاً صرف یہی ہو سکتی ہے کہ بچہ ختنہ کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکے، اگر بچہ ساتویں دن اسے برداشت کر لیتا ہے، اور تجربہ سے یہ ثابت ہے تو پھر اسی دن مناسب ہوگا،

ساری تفصیل پڑھنے کے بعد خاکسار جس نتیجہ تک پہونچا ہے، وہ یہ ہے کہ جلد سے جلد والی صورت اختیار کی جانی چاہئے، اور اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمارے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور وہ یہ کہ آپؐ نے اپنے دونوں نواسوں کا ختنہ ساتویں دن کیا، جیساکہ حدیث نقل ہو چکی ہے، اگر کوئی مانع نہ ہو تو اسی پر عمل عمدہ ہے، یوں ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ دوسری حدیثیں بھی اس سلسلہ میں مروی ہیں، جیساکہ اوپر نقل کی گئیں،

ساتویں دن کیلئے علامہ عینیؒ کی صراحت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

وَاخْتَلَفُوْا فِیْ وَقْتِہٖ فَقَالَتِ	"ختنہ کے وقت میں اختلاف ہے، شافعیہ

الشَّافِعِيَّةُ بَعْدَ الْبُلُوغِ وَيُسْتَحَبُّ فِي السَّابِعِ بَعْدَ الْوِلَادَةِ اِقْتِدَاءً بِاَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاِنَّهُ خَتَنَهُمَا يَوْمَ السَّابِعِ فِي وِلَادَتِهِمَا رواه الحاكم فی مستدركه عن حديث عائشة رضی الله عنها وقال صحيح الاسناد (عمدة القاری للعينی، ص ۵۱۴ ج ۱۰)	بعد بلوغ کے قائل ہیں اور مستحب یہ ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کیا جائے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی ہوتی ہے، جو آپ نے حضرت حسن رضؓ و حسین رضؓ کے لئے دیا تھا، اور آپؐ کے ان دونو اسوں کا ختنہ پیدائش کے ساتویں دن ہوا تھا، حاکم نے یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے نقل کی ہے، اور اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے“

علامہ عینیؒ کی اس صراحت سے جہاں خاکسار کے نظریہ کی تائید ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ ساتویں دن ختنہ مستحب ہے، گو گنجائش اس کے بعد بھی باقی رہتی ہے،

عورتوں کا ختنہ

رہا عورتوں کے ختنہ کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اُن کے سنت نہیں ہے، یوں اگر کر دیا جائے تو مضائقہ بھی نہیں بلکہ پسندیدہ ہے،

وَخِتَانُ الْمَرْأَةِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ بَلْ مَكْرُمَةٌ لِلرِّجَالِ (الدر المختار علی هامش ردّ المحتار، مسائل شتّٰی، ص ۷۳۴ ج ۵)	”عورتوں کا ختنہ سنت نہیں ہے، بلکہ مردوں کی عزت افزائی کے لئے ہے“

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ عورتوں کا ختنہ سنت نہیں ہے جس طرح مردوں کا، البتہ بعض لوگوں نے مستحب لکھا ہے،

وَقَالَ بَعْضُهُمْ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ وَمُسْتَحَبٌّ لِلنِّسَاءِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ خِتَانُ الرِّجَالِ سُنَّةٌ وَخِتَانُ النِّسَاءِ مَكْرُمَةٌ،

"بعضوں نے کہا کہ مردوں کا ختنہ سنت ہے اور عورتوں کا مستحب اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کا ختنہ سنت ہے اور عورتوں کا موجبِ کرامت"

(ردّ المحتار مسائل شتّٰی، ص ۷۳۴ ج ۵)

عورتوں کا ختنہ ضروری نہیں

حاصل یہ ہوا کہ عورتوں کا ختنہ مردوں کے اکرام کے لئے ہے مسنون نہیں ہے، عورتوں کا ختنہ کر دینے سے وہ مردوں کے لئے زیادہ مرغوب ہوجاتی ہیں، اور ان کے چہرہ پر رونق آجاتی ہے،

لِاَنَّهٗ اَلَذُّ فِي الْجِمَاعِ،

"اس لئے کہ ختنہ کے بعد عورتیں مجامعت میں لذیذ ترین بن جاتی ہیں"،

(ردّ المحتار، ص ۷۳۴ ج ۵)

ہندوستان میں عورتوں کے ختنہ کا رواج بالکل باقی نہیں رہا، اور غالباً دوسرے ممالک میں بھی یہی حال ہے، اور جب یہ ضروری بھی نہیں ہے اور نہ کوئی خاص فائدہ ہے تو اس کی کوئی ضرورت بھی باقی نہیں رہی[1]،

لڑکوں کا ختنہ ضروری ہے

مرد کے ختنہ کی وجہ بیان کی جاچکی ہے کہ حشفہ جب تک صاف نکل نہیں آتا پیشاب کے قطرات اس اوپر کی جھلی میں رک جاتے ہیں اور پاکی پورے طور پر حاصل نہیں ہو پاتی ہے۔

---

[1] عورتوں کے ختنہ کی ابتدا حضرت ہاجرہؑ سے ہوئی، اور وہ حضرت سارہؑ کی قسم کی تکمیل کے طور پر، اس واقعہ کی تفصیل آگے آرہی ہے ۱۲ ظفیر،

اس لئے مردوں کے لئے ختنہ ضروری قرار دیا گیا، پھر اسے شعارِ اسلام کا درجہ حاصل ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ مرد اس سنت کو ہر حال میں ادا کریں،

مختون بچہ

لیکن اگر کوئی بچہ اس طرح پیدا ہوا کہ اس کا حشفہ ظاہر ہے، اس طرح کہ اگر کوئی دیکھے تو وہ اُسے غیر مختون نہ سمجھے تو پھر اس کے ختنہ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، اسی طرح اگر ختنہ میں پوری جھلّی صاف طور پر کٹ نہ سکے، مگر اکثر حصہ صاف ہو جائے تو پھر مزید دوبارہ ختنہ کی ضرورت نہیں رہتی،

جوانی اور بڑھاپے میں ختنہ

کوئی جوان یا بوڑھا شخص اسلام قبول کرے اور بغیر کسی خاص اذیت کے وہ اپنا ختنہ کر سکے تو اسے کر لینا چاہئے، لیکن اگر ایسی اذیت ہو جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا، تو ایسی صورت میں ضروری بھی نہیں ہے،

كَشَيْخٍ اَسْلَمَ وَقَالَ اَهْلُ النَّظَرِ لَا يُطِيْقُ الْخِتَانَ تُرِكَ اَيْضًا، ردالمختار علی هامش درالمختار مسائل شتّٰی، ص ۴۷۳ ج ۵)

"جیسے بوڑھا جو مسلمان ہو جائے اور بصیرت رکھنے والے کہیں کہ اس میں ختنہ کی طاقت نہیں ہے تو اس کا ختنہ بھی ترک کر دیا جائے گا"۔

دوسری جگہ صراحت ہے :-

وَقِيْلَ خِتَانُ الْكَبِيْرِ اِذَا اَمْكَنَهٗ اَنْ يَّخْتِنَ نَفْسَهٗ فَعَلَ وَاِلَّا لَمْ يَفْعَلْ اِلَّا اَنْ يُّمْكِنَهُ النِّكَاحُ اَوْ شِرَاءُ الْجَارِيَةِ،

"بالغ کے ختنہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر اس کے لئے بطور خود ختنہ کرنا ممکن ہو کر لے ورنہ چھوڑ دے، اگر اسے کسی ایسی عورت سے نکاح ممکن ہو جو ختنہ کر سکے تو

(ایضاً کتاب الحظر و الاباحۃ (صفحہ ۳۷۷ ج ۵)) | کرلے یا لونڈی خریدلے "

جس کا ماحصل یہ ہوا کہ اگر کسی بالغ کو ختنہ کرانا ہے تو یا تو وہ خود کرلے یا ممکن ہو تو وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرلے جو اس کی ختنہ کرسکے، یا کسی ایسی لونڈی کو خریدلے جو ختنہ کرنا جانتی ہو، مختصر یہ ہے کہ حتی الوسع اسے ختنہ کرانا چاہئے،

وَالظَّاهِرُ فِي الْكَبِيرِ أَنَّهُ يَخْتِنُ وَيَكْفِي قَطْعُ الْأَكْثَرِ، (صفحہ ۳۷۷ ج ۵) | "ظاہر یہ ہے کہ بالغ ختنہ کرے اور ختنہ میں اکثر قلفہ کا کٹ جانا کافی ہے "

ختنہ کی وجہ

ابن عابدین شامیؒ نے ختنہ کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ راہِ خدا میں اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کریں، یہ ایک امتحان تھا، جس میں ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا کیا گیا تھا، اور وہ کامیاب بھی ہوئے، اس کی یادگار کے طور پر یہ ختنہ ہے، کہ جس طرح وہ اپنے لختِ جگر کے خون کے سلسلہ میں جھنجھوڑے گئے تھے ہر شخص اپنے ایک حصّہ کو کاٹ کر اور خون بہا کر ذرا جھنجھوڑ دیا جائے، اور اس امتحان سے گذر جائے، تاکہ معلوم ہو کہ ہر مسلمان اسلام کے حکم کے آگے اس طرح کی اذیت بخوشی برداشت کرسکتا ہے، اپنے لئے بھی اور اپنے بچّے کے لئے بھی (ردالمحتار، ص ۳۷۵، ج ۵، ۱۲ ظفیر)

ختنہ کی اُجرت

فقہاء نے اس کی بھی صراحت کردی ہے کہ اگر اس بچّہ کی مِلک میں مال نہ ہو جس کا ختنہ ہو رہا ہے، تو یہ بار باپ برداشت کرے گا،

وَأُجْرَةُ خِتَانِ الصَّبِيِّ عَلَى أَبِيهِ | "بچّہ کی ختنہ کی اُجرت اُس کے باپ کے

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ مَالٌ۔
(ایضاً مسائل شتّٰی، ص ۴۳۴ ج ۵)

ذمہ ہوگی، اگر اس بچہ کی مِلک میں مال نہیں ہے،

انبیاءِ کرام اور ختنہ

اوپر اشارہ کرچکا ہوں کہ انبیاءِ کرام کے مختون پیدا ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، یہ تو متفق علیہ ہے کہ کچھ انبیاءِ کرام مختون (ختنہ شدہ) پیدا ہوئے اور یہ بھی متفق علیہ مسئلہ ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر مختون پیدا ہوئے یا چند مخصوص؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ صرف چودہ انبیاءِ کرام مختون پیدا ہوئے تھے جن کے نام یہ ہیں:- (۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) شیث علیہ السلام، (۳) نوح علیہ السلام (۴) لوط علیہ السلام (۵) ہود علیہ السلام، (۶) صالح علیہ السلام (۷) شعیب علیہ السلام (۸) یوسف علیہ السلام، (۹) موسیٰ علیہ السلام (۱۰) سلیمان علیہ السلام (۱۱) زکریا علیہ السلام، (۱۲) عیسیٰ علیہ السلام (۱۳) حنظلہ بن صفوان علیہ السلام (نبی اصحاب الرس) (۱۴) اور خاتم النبیین حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم[1]

صاحب الدر المختار نے علامہ سیوطیؒ کے حوالہ سے اس سلسلہ میں سترہ انبیاءِ کرام کا نام لیا ہے، اور ان ناموں کا اضافہ کیا ہے،

(۱۵) حضرت ادریس علیہ السلام (۱۶) حضرت سام علیہ السلام (۱۷) اور حضرت یحییٰ علیہ السلام[2]،

---

[1] شرح شرعۃ الاسلام ص۳۱۲ [2] الدر المختار علی ہامش رد المحتار، ص ۴۳۷ ج ۵)

سوائے حضرت ابراہیمؑ تمام انبیائے کرام مختون پیدا ہوئے ،

لیکن صاحب شرعۃ الاسلام سید علی زادہ نے لکھا ہے :-

وَسَيَجِيءُ مِنَ الْمُصَنِّفِ اَنَّهٗ قَدْ وُلِدَ الْاَنْبِيَاءُ كُلُّهُمْ مَخْتُوْنِيْنَ مَسْرُوْرِيْنَ اَيْ مَقْطُوْعَ السُّرَّةِ كَرَامَةً لَّهُمْ لِئَلَّا يَنْظُرَ اَحَدٌ اِلٰى عَوْرَاتِهِمْ اِلَّا اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّهٗ خَتَنَ نَفْسَهٗ لِيَسْتَنَّ بِسُنَّتِهٖ بَعْدَهٗ فَتَخْصِيْصُهٗ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ لَيْسَ لِمَا يَنْبَغِيْ (شرح شرعۃ الاسلام ص۳۰)

"مصنّف کی طرف سے یہ آئے گا کہ انبیاءِ کرام کُل کے کُل مختون پیدا ہوئے اور ناف کٹے ہوئے اُن کی شرافت کے اظہار کے لئے تاکہ کوئی بھی ان کا ستر دیکھنے نہ پائے، البتہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السّلام مختون نہیں پیدا ہوئے ، انھوں نے خود اپنا ختنہ کیا، تاکہ بعد والوں میں آپ کی یہ سنت جاری ہوسکے، لہٰذا صرف چودہ[۱۴] انبیاء کی تخصیص مناسب نہیں ہے "

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا تمام انبیاءِ کرام مختون (ختنہ شدہ) پیدا ہوئے ، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لئے مختون نہیں پیدا ہوئے کہ آپ سے اس ختنہ کی سنت رائج ہو، اور دنیا میں آپ کے بعد یہ طریقہ جاری رہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختنہ کے سلسلہ میں اختلاف

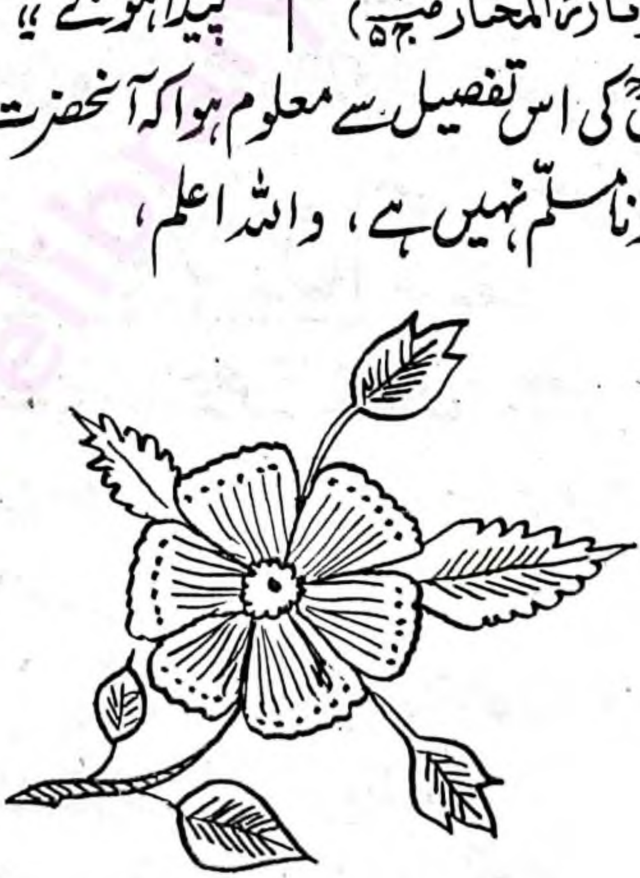
علّامہ شامیؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونے کے

سلسلہ میں اختلاف نقل کیا ہے :-

وَقَدِ اخْتَلَفَ الرُّوَاةُ وَالْحُفَّاظُ فِيْ وِلَادَةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْتُوْنًا وَلَمْ يَصِحَّ فِيْهِ شَيْءٌ وَاَطَالَ الذَّهَبِيُّ فِيْ رَدِّ قَوْلِ الْحَاكِمِ اِنَّهٗ تَوَاتَرَتْ بِهِ الرِّوَايَةُ وَقَدْ ثَبَتَ عِنْدَهُمْ ضُعْفُ الْحَدِيْثِ بِهٖ وَقَالَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ مِنَ الْحُفَّاظِ الْاَشْبَهُ بِالصَّوَابِ اَنَّهٗ لَمْ يُوْلَدْ مَخْتُوْنًا (رد المحتار ص۴۳۵ ج۵)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونے میں رواۃ وحفاظ کا اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے، اور امام حاکمؒ کے اس قول کی امام ذہبیؒ نے زوردار تردید کی ہے جس میں انھوں نے تواتر ثابت کیا تھا، ضعف بہرحال ثابت ہے، اور محققین حفاظ نے کہا کہ درست کے قریب تر یہ ہے کہ آپؐ مختون نہیں پیدا ہوتے"

علامہ شامیؒ کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مختون پیدا ہونا مسلّم نہیں ہے، واللہ اعلم،



زیورات کیلئے بچیّوں کے کان ناک چھیدنا

یہ ایک ضمنی بحث تھی جو درمیان میں آگئی، ورنہ اس وقت پیشِ نظر مسلمان بچوّں کی تربیت کا مسئلہ ہے، لہٰذا پھر بات وہیں سے شروع کی جارہی ہے،

بچیوں کے کان چھیدنا درست ہے

بچیّوں کے کان چھیدنے کا مسئلہ بھی اگر یہاں بیان کردیا جائے تو اچھا ہوگا،

فقہاء نے لکھا ہے کہ بچیّوں کے کان میں بالیوں کے لئے جو سوراخ کیا جاتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ جائز ہے:۔

وَلَا بَأْسَ بِثَقْبِ أُذُنِ الْبِنْتِ الطِّفْلِ اِسْتِحْسَانًا،	"بچیّ کے کانوں میں سوراخ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ ص ۲۱۵/۵)

بچوّں کے کان چھیدنا جائز نہیں

متن میں "طفل" واؤ کے ساتھ ہے مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ کان کا سوراخ بالیوں کے لئے ہوتا ہے جو عورتیں کانوں میں پہنتی ہیں، اور انہی کو یہ چیز زیب بھی دیتی ہے، لڑکوں اور مردوں کے لئے اس طرح کی زینت جائز نہیں ہے، اور حاوی القدسی میں صراحت ہے:۔

وَلَا یَجُوْزُ ثَقْبُ اٰذَانِ الْبَنِیْنَ،	"بچوّں کا کان چھیدنا جائز نہیں ہے"۔

(رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ ص ۲۱۵/۵)

علامہ شامیؒ نے بھی اس غلطی پر تنبیہ کی ہے، لکھتے ہیں:۔

قَوْلُهٗ وَالطِّفْلُ ظَاهِرُهٗ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّكَرُ مَعَ اَنَّ ثَقْبَ الْاُذُنِ لِتَعْلِيْقِ الْقُرْطِ وَهُوَ عَنْ زِيْنَةِ النِّسَآءِ فَلَا يَحِلُّ لِلذُّكُوْرِ،

"طفل سے ظاہراً مذکر مراد ہے، حالانکہ کانوں کا سوراخ بالیوں کے لٹکانے کے لئے ہوتا ہے، اور یہ عورتوں کے لئے زینت ہے لہٰذا مردوں کیلئے درست نہیں ہوگا"

(ردالمحتار کتاب لحظر والاباحۃ ص۴۱۵ ج۵)

ناک میں سوراخ

بعض شہروں میں عورتیں ناک میں سوراخ کراتی ہیں اور نتھ اور بلبیہ پہنتی ہیں، فقہاء نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے:

وَهَلْ يَجُوْزُ الْخِزَامُ فِي الْاَنْفِ لَمْ اَرَهٗ (ردالمحتار، ص۴۱۵ ج۵)

"اور کیا نتھ ناک کے اندر جائز ہے؟ میں نے کہیں نہیں دیکھا"

اس پر علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:-

قَوْلُهٗ لَمْ اَرَهٗ قُلْتُ اِنْ كَانَ مِمَّا يَتَزَيَّنُ النِّسَاءُ بِهٖ كَمَا هُوَ فِيْ بَعْضِ الْبِلَادِ فَهُوَ فِيْهَا كَثَقْبِ الْقُرْطِ وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِيَّةُ عَلٰى جَوَازِهٖ،

(ردالمحتار، ص۴۱۵ ج۵)

"میں کہتا ہوں کہ اگر یہ اُن چیزوں میں ہی جس سے عورتوں کو زینت حاصل ہوتی ہے جیساکہ بعض شہروں میں رائج ہی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے بالیوں کے لئے سوراخ کرنا، اور شافعیہ سے اس کی صراحت مذکور ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں ناک میں سوراخ کرنے کا رواج ہے، اور جہاں عورتیں ناک میں زیور پہنتی ہیں وہاں یہ درست ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے،

ختنہ اور گوشوارہ کی تاریخ

حافظ ابن القیمؒ نے کانوں میں سوراخ اور بالی پہننے کی تاریخ بیان کی ہے کہ اس کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ سے ہوئی، واقدیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت سارہؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں تھیں، مدّت دراز تک اُن کے کوئی بچہ نہیں ہوا، جب مایوس ہو چکیں تو انھوں نے اپنی لونڈی ہاجرہ نامی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کر دی، اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ہاجرہؑ سے حضرت ابراہیمؑ کے بچّہ پیدا ہوا، یہ دیکھ کر طبعی غیرت حضرت سارہؑ میں اُبھر آئی، بہت رنجیدہ ہوئیں اور اپنی لونڈی ہاجرہؑ پر انسانی تقاضہ سے ازراہِ رشک غصّہ آیا، اور قسم کھالی کہ وہ اُن کے تین۳ اعضاء کاٹ ڈالیں گی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم اپنی قسم پوری بھی کرو گی یا نہیں؟ حضرت سارہؑ نے کہا کیسے کروں؟ عجب قسم میں نے کھائی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم پوری کرنے کے لئے یہ کرو کہ ہاجرہ کے دونوں کانوں میں سوراخ کر ڈالو، دو عضو یہ ہو جائیں گے اور تیسرے یہ کہ اُن کا ختنہ کرا دو، اس طرح تمھاری قسم پوری ہو جائے گی، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد حضرت ہاجرہؑ نے اپنے کانوں میں بالیاں پہن لیں، جس کی وجہ سے اُن کا حُسن نکھر آیا (روضۃ المحبین لابن القیم، ص ۳۱۹، ۳۲۰)

امام غزالیؒ کی رائے

بچیوں کے کانوں میں سوراخ کے مسئلہ میں امام غزالیؒ نے شدّت اختیار کی ہے، اور ان کا ذاتی رجحان اس کے عدمِ جواز پر ہے، اور لکھا ہے کہ کوئی اطلاع اس کے جواز کی نہیں پہنچی ہے

ان کے الفاظ یہ ہیں :-

وَلَا اَرٰی رُخْصَۃً فِیْ تَثْقِیْبِ اُذُنِ الصَّبِیَّۃِ لِاَجْلِ تَعْلِیْقِ حِلَقِ الذَّھَبِ فِیْھَا فَاِنَّ ھٰذَا جَرْحٌ مُؤْلِمٌ وَمِثْلُہٗ مُوْجِبٌ لِلْقِصَاصِ فَلَا یَجُوْزُ اِلَّا لِحَاجَۃٍ مُھِمَّۃٍ کَالْفَصْدِ وَالْحِجَامَۃِ وَالْخِتَانِ وَالتَّزَیُّنُ بِالْحَلَقِ غَیْرُ مُھِمٍّ الخ (احیاء علوم الدین منکر ۲ الضیافۃ)

"سونے کی بالیوں کے لٹکانے کے لئے بچی کے کان چھیدنا میں جائز نہیں سمجھتا، اس لئے کہ یہ ایک تکلیف دہ زخم ہے اور ایسا زخم موجب قصاص ہوتا ہے، لہٰذا سوائے اہم ضرورت کے یہ جائز نہیں ہوگا، اور بالیوں سے زینت حاصل کرنا کوئی اہم نہیں ہے اہم ضرورت میں فصد یا پچھنا لگانا اور ختنہ جیسی چیزیں ہیں"

فقہائے کرام کی نظر میں

لیکن اوپر شامی اور در مختار کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ یہ جائز ہے، اور امام غزالیؒ کے زمانے میں خواہ بالیاں پہننا اہم نہ رہا ہو لیکن موجودہ دور میں یہ عام رواج ہے، اور کانوں میں سوراخ کوئی ایسی اذیت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے حرام و ناجائز کہدیا جائے آجکل چھوٹی بچیاں بخوشی اپنے کان چھدواتی ہیں، پھر موجودہ دور میں کوئی ... تشویشناک زخم نہیں ہوتا،

عہدِ نبویؐ میں

ہمارے اس زمانہ میں ہر جگہ جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے، اور شرعاً و عقلاً اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں، پھر اس وقت اور بھی جبکہ کانوں میں سوراخ کا یہ رواج عہدِ نبویؐ سے چلا آرہا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس پر انکار نہیں فرمایا، بلکہ بذریعہ سکوت

اسے باقی رکھا،

وَلَا بَأْسَ بِثَقْبِ اٰذَانِ الْاَطْفَالِ مِنَ الْبَنَاتِ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ اِنْكَارٍ كَذَا فِي الْكُبْرٰى،

بچیوں کے کانوں میں سوراخ کرنا جائز ہے اس لئے کہ عہدِ نبویؐ میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے اور آپؐ کی طرف سے کوئی انکار نہیں پایا گیا،،

(عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب تاسع عشر ص $\frac{۳۶۸}{۵ج}$)

جو کچھ پیش کیا گیا اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ بچیوں کے کان چھیدنا جائز ہے، اور اسی طرح ان کان میں بالیاں لٹکانا بھی اور جس طرح یہ چھوٹی بچیوں کے لئے درست ہی بڑی عورتوں کے لئے بھی درست ہے،

سونا، چاندی اور ریشم

بچی کو سونے اور چاندی کے زیورات پہنانا خواہ گلے میں ہوں یا کان میں یا ناک میں جائز ہے،

اسی طرح رنگین اور ریشمی کپڑا پہنانا بھی درست ہے، مگر بچوں کے لئے یہ چیزیں جائز نہیں ہیں، صاحبِ درمختار نے صراحت کی ہے؛

وَكُرِهَ اِلْبَاسُ الصَّبِيِّ ذَهَبًا اَوْ حَرِيْرًا فَاِنَّ مَا حَرُمَ لُبْسُهُ وَشُرْبُهُ حَرُمَ اِلْبَاسُهُ وَاِشْرَابُهُ ،

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار، ص $\frac{۳۵۶}{۵ج}$)

"بچہ کو سونا اور ریشم پہنانا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ جن چیزوں کا پہننا اور پینا حرام ہے اس کا پہنانا اور پلانا بھی حرام ہوتا ہے"،

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں؛

لِاَنَّ النَّصَّ حَرَّمَ الذَّهَبَ وَالْحَرِيْرَ

"شریعت میں صراحت کے ساتھ سونا اور

عَلیٰ ذُکُوْرِ الْاُمَّۃِ بِلَا قَیْدِ لِبُلُوْغٍ وَالْحُرِّیَّۃِ وَالْاِثْمُ عَلیٰ مَنْ اَلْبَسَھُمْ لِاَنَّا اُمِرْنَا بِحِفْظِھِمْ الخ وَلَا بَاْسَ لِلنِّسَآءِ،

(ردالمحتار، ص ۳۵۶ ج ۵)

ریشم اُمّت کے مردوں کے لئے مطلقاً حرام کیا گیا ہے، اس میں نہ بلوغ کی قید ہے اور نہ آزادی کی، اور گناہ اس پر ہوگا جو بچّوں کو پہنائے گا، اس لئے کہ ہمیں ان کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، البتہ عورتوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں"

فرمانِ نبویؐ سونا اور ریشم کے سلسلہ میں

دراصل اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُحِلَّ الذَّھَبُ وَالْحَرِیْرُ لِلْاِنَاثِ مِنْ اُمَّتِیْ

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال کیا گیا، اور مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا"

وَحُرِّمَ عَلیٰ ذُکُوْرِھَا، رواہ الترمذی والنسائی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح (مشکوٰۃ کتاب اللّباس فصل ثانی)

بچّہ کو ریشم اور سونا پہنانیوالے

اس حدیث میں ذکور کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مذکّر کے ہیں، اور یہ لفظ اپنے عموم کے اعتبار سے جس طرح بالغین کو شامل ہے بچّوں کو بھی شامل ہے،

ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَالذُّكُوْرُ بِعُمُوْمِهٖ يَشْتَمِلُ الصِّبْيَانَ اَيْضًا لٰكِنَّهُمْ حَيْثُ لَمْ يَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ التَّكْلِيْفِ حُرِّمَ عَلٰى مَنْ اَلْبَسَهُمْ،

"لفظ ذکور کو اپنے عموم کی وجہ سے بچوں کو بھی شامل ہے، مگر چونکہ یہ غیر مکلف ہیں اس لئے اس حرمت کی ذمہ داری پہنانے والے پر ہو گی"۔

(مرقاۃ المفاتیح ص $\frac{429}{4}$ ج)

سونا چاندی کے برتن کا استعمال

یعنی اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو بچے کو ریشم یا سونا چاندی پہنائیں گے، سونا چاندی میں حرمت مرد اور بچے کے لئے اور حلت بچی اور عورت کے لئے زیورات کے سلسلہ میں ہے، باقی سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال تو یہ مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے، چنانچہ دوسری حدیث میں صراحت ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّشْرَبَ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَ الذَّهَبِ وَاَنْ نَّاْكُلَ فِيْهَا،

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چاندی اور سونے کے برتن میں پینے اور کھانے سے روکا ہے"۔

(مشکوٰۃ، کتاب اللباس فصل اوّل)

انگوٹھی وغیرہ کا استثناء

ملا علی قاری رحؒ نے بھی پہلی حدیث کے ضمن میں صراحت کی ہے:۔

وَالْمُرَادُ مِنَ الذَّهَبِ حِلْيَتُهٗ وَاِلَّا فَالْاَوَانِيْ عَنِ الذَّهَبِ

"سونے سے مراد اس کے زیورات ہیں ورنہ سونے اور چاندی کے برتن مرد

وَالْفِضَّةِ حَرَامٌ عَلَى الذُّكُوْرِ وَالْإِنَاثِ وَكَذَا الْحُلِيُّ الْفِضَّةِ مُخْتَصٌّ بِالنِّسَاءِ إِلَّا مَا اسْتُثْنِيَ لِلرِّجَالِ مِنَ الْخَاتَمِ وَغَيْرِهٖ، (مرقاۃ ص ۴۲۹ ج ۴)	اور عورتوں دونوں کے لئے حرام ہیں، ایسا ہی چاندی کا زیور صرف عورتوں سے مخصوص ہی، البتہ مردوں کے لئے بعض مخصوص چیزوں کا استثناء کیا گیا ہی جیسے انگوٹھی وغیرہ"،

استثناء میں ضرورت مند مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی اور سونے کے بٹن ہیں، اسی طرح ہلتے ہوئے دانت کو باندھنے کے لئے چاندی کے تار کا استعمال جائز ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، اور اپنے دستِ مبارک میں پہنی ہے، تا وفات یہ انگوٹھی آپؐ کے پاس رہی، پھر حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہی، پھر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں، پھر حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ میں، تا آنکہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے نکل کر وہ کنویں میں گر گئی اور بہت جستجو و تلاش کے بعد بھی نہ مل سکی،[1]

بچّوں کے مہندی لگانا درست نہیں

بچّوں کے ہاتھ پاؤں کا مہندی سے رنگنا جیساکہ عورتیں کیا کرتی ہیں درست نہیں ہے،

وَيُكْرَهُ لِلْإِنْسَانِ أَنْ يَّخْضِبَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَكَذَا الصَّبِيِّ إِلَّا لِحَاجَةٍ (درالمختار ج ۵)	مردوں کیلئے ہاتھوں اور پاؤں کا رنگنا مکروہ تحریمی ہی اور ایسا ہی بچّے کے لئے "،

[1] دیکھئے شامی، جلد خامس کتاب الحظر والاباحۃ، ص ۳۵۲ ،

پازیب وغیرہ کا حکم

یعنی دواء کے طور پر ان چیزوں کا استعمال اگر بچّوں اور مَردوں کے لئے کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بعض جگہ بچوں کو پازیب اور بالا (کنگن) پہنانے کا رواج ہے، مگر یہ بھی ناجائز اور قابلِ ترک ہے،

وَيُكْرَهُ لِلْوَلِيِّ اِلْبَاسُ الْخَلْخَالِ اَوِ السِّوَارِ لِلصَّبِيِّ،	"بچّوں کو پازیب اور کنگن پہنانا ولی کے لئے جائز نہیں ہے"

(الدّر المختار علی ھامش ردالمحتار، ص۲۱۵ ج۵)

تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، یہ سارے مسائل "اصلاح الرّسوم" اور "بہشتی زیور" وغیرہ میں غالباً لکھے ہوتے ہیں وہاں دیکھ لئے جائیں۔

اسلام کا

بچوں کی پرورش

اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ کے لئے مستقل ضابطہ اور قانون بنایا ہے وہاں بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اس کی بھی وضاحت کردی ہے کہ ان معصوم نونہالوں کی پرورش کن لوگوں کے ذمّہ ہے،

یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ربّ العالمین نے ان بن کھلے ہوئے پھولوں کی آبیاری کا انتہائی جذبہ ان دونوں کے سینوں میں پیوست کردیا ہے جن کے ظاہری ملاپ نے انھیں وجود کی دولت سے نوازا ہے، کوئی ماں باپ ایسا نہیں ہے جو اپنے جگر پاروں پر نثار نہ ہوتا ہو اور ان کے شاندار مستقبل کا متمنّی نہ ہو،

والدین پر ذمّہ داری

مگر کبھی صورتِ حال ایسی سامنے آجاتی ہے کہ ان معصوموں کے باپ ماں میں باہم اَن بَن ہوجاتی ہے اور ہر ایک ان میں سے بچہّ کی پرورش کا قانونی مربی بننا چاہتا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ اس کشمکش میں بچہّ کی اذیّت پنہاں ہوتی ہے، اس لئے ضرورت بھی تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی ضابطہ مقرر کردیا جائے تاکہ اس طرح کے نازک مرحلے میں اس نوشاہِ ذیشان کے عیش وآرام میں کوئی ادنیٰ فرق نہ آنے پائے اور جو کل ملک وملّت کی قسمت کا مالک بننے والا ہے، اس کی تعلیم وتربیت میں کوئی خامی راہ نہ پاسکے، اسلام کسی مرحلہ پر بھی بچہّ کی تکلیف برداشت

نہیں کرتا، بلکہ اس کی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ مستقبل میں وہ ہر طرح کے فضائل و محاسن اخلاق سے آراستہ ہو اور ان تمام رذائل اخلاق سے پاک ہو، جو عقلِ سلیم میں معیوب ہیں، تاکہ وہ صحیح معنوں میں انسانیت کا مرقع اور حسنِ اخلاق کا پیکر ثابت ہو،

کتابُ اللہ میں حقوقِ اولاد کا بیان؛

پرورش کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ

(سورۂ بقرہ: ۳۰)

"اور مائیں کامل دو سال اپنے بچوں کو دودھ پلایا کریں، یہ مدت اُن کے لئے ہے جو شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہیں اور اس کے باپ کے ذمہ ہر اُن ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق، کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ حکم نہیں دیا جاتا کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف نہ پہونچانا چاہئے، اور نہ کسی باپ کو، اور باپ کے نہ ہونے کی صورت میں بچّہ کی پرورش اسی طرح محرم قرابتداروں کے ذمہ ہے"

حضرت تھانویؒ کا تفسیری ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:۔

"اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں خواہ

نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے، اور جو تکمیل نہ کرنا چاہے، دو سال سے کم میں چھڑا دینا درست ہے، جیسا عنقریب آتا ہے، اور جس کا شرعاً نسب کے اعتبار سے بچہ ہے یعنی باپ، اس کے ذمہ ہے اُن ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق جبکہ وہ نکاح یا عدت میں ہوں اور زوجہ کے نان ونفقہ کا قاعدہ، اور مسئلے مشہور ہیں، کسی شخص کو خدا کی طرف سے کوئی حکم نہیں دیا جاتا، مگر اس کی برداشت کے موافق، سو عورتوں کو دودھ پلانا سہل تھا ان کو اس کا حکم دیا گیا کسی ماں کو تکلیف نہ پہونچانا چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے، یعنی بچہ کے ماں باپ آپس میں ضدا ضدی نہ کریں، مثلاً، ماں دودھ پلانے سے معذور ہو، اور باپ اس پر یہ سمجھ کر زبردستی کرے کہ آخر اس کا بھی بچہ ہے جھک مارے گی اور پلا دے گی، یا یہ کہ باپ مفلس ہے، اور ماں کو کوئی معذوری بھی نہیں، پھر دودھ پلانے سے یہ سمجھکر انکار کرے کہ اس کا بھی تو بچہ ہے، جھک مار کر کسی سے پلوائے گا، اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو مثل طریق مذکور کے بچہ کی پرورش کا انتظام اس محرم قرابتدار کے ذمہ ہے جو شرعاً بچہ کے وارث ہونے کا حق رکھتا ہو، عنقریب اس کی تفصیل فوائد میں آئے گی ؛؛

(بیان القرآن جلد اوّل، ص ۱۲۷)

قرآن پاک کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ پرورش کی ذمہ داری اوّلاً والدین کے سر ہے کہ دونوں مل کر اپنے اس معصوم ننھے مُنّے بچہ کی تربیت کے فرائض انجام دیں اور تربیت میں اُن تمام امور کی رعایت کریں جو اس کی زندگی کو ہر پہلو سے مزیّن کر دے، اور کوئی ایسی خامی باقی نہ رہنے پائے جو بچّے کے مستقبل کو تاریک بنانے والی ہو،

ذمّہ داری ڈالنے میں ہر ایک کا لحاظ

قرآن کریم نے پرورش کا بوجھ ہر ایک کے سر اس کی استعداد کے مطابق رکھا ہے، کوئی ایسی صورت تجویز نہیں کی ہے جس پر عمل کسی کے لئے ناممکن ہو، بچّہ کی خوراک قدرت نے ماں کی چھاتی میں ودیعت کر دی ہے، اس لئے کہ کل تک جو دودھ کا قطرہ اپنے جسم میں نہیں رکھتی تھی بچّہ کی پیدائش کے ساتھ اس کے سینے میں دودھ کا ایک ایسا چشمہ جاری کر دیا گیا ہے جو بچّے کی بھوک اور پیاس کی تلافی کر سکتا ہے، پھر ہر آن وہ قدرتی طور پر تیار ہوتا رہتا ہے اور اُبلتا رہتا ہے، اگر مرض کا حملہ نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ قدرتی چشمہ رُک جائے، یا بند ہو جائے، ماں کو حکم ہے کہ وہ اپنے اسی قدرتی خزانے کو بچّہ پر نثار کرتی رہے، اور اس میں اس کی طرف سے کسی بخل یا ضد کا اظہار ہرگز نہ ہو،

ماں کے ذمہ رضاعت اور باپ کے سر ذمہ داری

باپ قدرتی طور پر اس قدرتی چشمۂ حیوان سے محروم ہے، لیکن قدرت نے اُسے جیسے قُویٰ عطا کئے ہیں ان سے بچّے کی ماں محروم ہے، لہٰذا باپ کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی کمائی سے اس شیریں چشمہ کو تقویت پہنچانے میں دریغ نہ کرے، وہ

اپنی محنت و مشقت اور عقل و فہم سے جائز روپے حاصل کرے، اور بچہّ کی ماں پر فیاضی سے خرچ کرے، کہ بچہّ کی ماں کی خورک اور اس کی بہترین غذا ہی بچہ کی خوراک میں اضافہ کا ذریعہ بن سکتی ہے، پھر ماں اگر روزی اور دوسری ضروریاتِ زندگی سے آزاد ہوگی تو بے فکری سے اپنی پوری خدمت بچہّ کی تربیت پر صرف کرسکتی ہے، پھر نفسیاتی طور پر ایسا دودھ بچہّ میں صالح خون پیدا کرے گا، اور اس کی اولوالعزمی کا ذریعہ بنے گا، خدانخواستہ اگر کوئی ماں ذہنی پریشانی سے دوچار ہوگی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بچہّ اس سے متأثر نہ ہو، اس لئے کہ ماں کے افکار شیر خوار بچہّ پر کسی نہ کسی حیثیت سے یقیناً اثر انداز ہوا کرتے ہیں،

قانونی ذمہّ داری باپ کے سر

صحیح طریقہ تو یہی ہے کہ والدین میل ملاپ سے بچہّ کی تربیت میں بخوشی حصہ لیں، لیکن کسی وجہ سے اگر اختلافی شکل پیدا ہوجائے تو اس سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں پر دودھ پلانا گو دیانۃً واجب ہے مگر قضاءً واجب نہیں، اور دودھ پلانے والی کا انتظام باپ کے ذمہّ ہے، البتہ بعض ناگزیر صورتوں میں ماں پر دودھ پلانا ضروری قرار دیا گیا، مثلاً بچہّ ماں کے سوا کسی اور عورت کا دودھ نہ پیے، یا باپ ایسا مفلس ہو کہ کسی دوسری دودھ پلانے والی کا انتظام اس کے بس کی بات نہ ہو، وغیرہ وغیرہ،

فَالْحَاصِلُ اَنَّ الْاَبَ یَجِبُ عَلَیْهِ اِرْضَاعَ وَلَدِهٖ وَعَلَیْهِ اَنْ یَّتَّخِذَ لِاَجْلِهٖ ظِئْرًا، وَلَا یَجِبُ اِلْاِرْضَاعُ

"حاصل یہ کہ بچہّ کے دودھ کا انتظام اس کے باپ پر واجب ہے، کہ وہ اس کے لئے کسی انّا (دودھ پلانے والی) کو مقرر کرے،

عَلَى الْأُمِّ بَلْ هُوَ مَنْدُوْبٌ عَلَيْهَا إِلَّا إِذَا لَمْ يَقْبَلِ الصَّبِيُّ غَيْرَ ثَدْيِ أُمِّهِ أَوْ كَانَ الْأَبُ عَاجِزًا عَنِ اسْتِيْجَارٍ أَوْ لَمْ يُوْجَدْ لَهُ ظِئْرًا فَحِيْنَئِذٍ يَجِبُ عَلَى الْأُمِّ إِرْضَاعُهُ فَإِنْ أَرْضَعَتْ لَا يَجُوْزُ لَهَا الْأُجْرَةُ مَا دَامَتْ زَوْجَةً أَوْ مُعْتَدَّةً وَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا يَجُوْزُ لَهَا أَخْذُ الْأُجْرَةِ وَعَلَى الْأَبِ إِعْطَائُهَا بِالْمَعْرُوْفِ، (التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۴۰)

ماں پر واجب نہیں البتہ مستحب ہے ہاں اُس وقت یقیناً ماں پر دودھ پلانا واجب ہوجائے گا کہ بچّہ کسی اور کا دودھ قبول نہ کرے، یا باپ اپنے افلاس کی وجہ سے کسی انّا کو رکھنے سے مجبور ہو یا رکھ تو سکتا ہے مگر کوئی انّا نہیں ملتی، ماں اگر دودھ پلاوے اور وہ اس کے باپ کے نکاح میں باقی رہے یا عدت میں، تو اس کے لئے اُجرت لینا درست نہیں ہے، لیکن جب نکاح یا عدّت میں نہیں ہے تو البتہ اُس کے لئے اجرت لینا جائز ہے اور بچّہ کے باپ کا فریضہ ہے کہ وہ حسبِ دستور اجرت ادا کرے"

باپ پر ذمہ داری کی وجہ

پرورش کی ذمّہ داری باپ کے سر اس لئے شریعت نے ڈالی ہے کہ پورے طور پر یہ اس کا تحمل کرسکتا ہے، اور درحقیقت بچّہ کا نسب باپ ہی سے ملتا ہے، یعنی اولاد باپ کی ہوتی ہے،

إِنَّمَا وُلِدْنَ لِأَجْلِهِمْ إِذِ الْأَوْلَادُ لِلْآبَاءِ وَالنَّسَبُ إِلَيْهِمْ الخ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ النَّسَبَ إِلَى الْآبَاءِ

"بلاشبہ ماں نے بچّہ باپ کے لئے ہی جنا ہے کیونکہ اولاد باپ کی کہی جاتی ہے اور اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے، قرآن کا لفظ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ بتا رہا ہے کہ نسب کی

(تفسیرات الاحمدیہ، ص ۱۴۱) | نسبت آباء کی طرف ہو گی ''

اخراجات کا بھی باپ ہی ذمّہ دار ہے، اگر وہ اخراجات برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے،

وَالنَّفَقَةُ عَلَى الْاَبِ وَلَا تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَيْهِ لِاَنَّهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحِضَانَةِ،

(ہدایہ، ص ۴۱۳ ج ۲)

بچّہ کا نان نفقہ باپ کے ذمّہ ہے، اس سلسلے میں ماں پر ذمّہ داری اس لئے نہیں ہے کہ وہ فطرۃً اس بار کے اٹھانے سے کسی وقت بھی عاجز ہو سکتی ہے ''

ماں پر رضاعت کے سلسلہ میں جبر

یعنی اگر ماں بچّہ کی پرورش سے انکار کر دے یا مطالبہ ترک کر دے تو ایسی حالت میں سارا بوجھ باپ کے سر ہو گا، کہ وہ بچہ کی پرورش کا اچھے سے اچھا نظم کرے، البتہ اگر کوئی دودھ پلانے والی نہ مل سکے یا کوئی تیار نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہو گا کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے، اور اس سلسلہ میں اپنی دلچسپی اور فراخ حوصلگی کا اظہار کرے، اور قانوناً اسے اس وقت اس خدمت پر مجبور کیا جائے گا، اور اس کا انکار سنا نہیں جائے گا،

اَمَّا اِذَا كَانَ لَا تُوْجَدُ مَنْ تُرْضِعُهٗ تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَى الْاِرْضَاعِ صِيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الضِّيَاعِ، (ہدایہ ص ۴۲۳ ج ۲)

''جب کوئی دودھ پلانے والی نہ مل سکے تو اس وقت ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا، تاکہ بچّہ ضائع نہ ہونے پائے''

رضاعت میں ماں مقدم ہے

یہ صورت اس وقت ہے جب ماں کسی وجہ سے دودھ پلانے کے لئے آمادہ نہ ہو، لیکن اگر وہ

خود دودھ پلانا چاہے اور اپنی نگرانی میں پرورش کے فرائض انجام دے تو اس کا حق سب سے پہلے اسی کو حاصل ہے، باپ چاہے تو بھی بچہ کو ماں سے جدا نہیں کرسکتا، جس کی طرف قرآن پاک کی اُس آیت میں اشارہ ہے جو اوپر نقل کی گئی،

حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئی اور اپنی روداد غم ان الفاظ میں سُنانے لگی :-

اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا كَانَ بَطْنِیْ لَهٗ وِعَاءً وَثَدِیْ لَهٗ سِقَاءً وَحَجْرِیْ لَهٗ حِوَاءً وَاَنَّ اَبَاهُ طَلَّقَنِیْ وَاَرَادَ اَنْ یَّنْزِعَهٗ۔

(مشکوٰۃ باب الحضانۃ ص ۲۹۳)

"یہ میرا گوشۂ جگر ہے جس کے لئے میرا شکم مرکز تھا، اور میرا سینہ چشمۂ رواں اور میری گود گہوارہ، اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور پھر (اس پر ظلم یہ کہ) اس آنکھ کی ٹھنڈک کو مجھ سے چھین لینے کا ارادہ بھی رکھتا ہے"

اس کی یہ رودادِ غم آپؐ نے بڑے صبر کے ساتھ سُنی، اور پھر آخر میں فیصلہ کے طور پر فرمایا :-

اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَنْكِحِیْ،

رواہ احمد و ابوداؤد،

(مشکوٰۃ باب الحضانۃ ص۲۹۳)

"اُس بچہ کی حق دار تو ہی ہے مگر اس وقت تک جب تک (کسی غیر محرم سے) شادی نہ کرلے"

حدیث میں یہ حکم مطلقاً ہے، لیکن فقہاء نے دوسری احادیث اور آثار کے پیشِ نظر اسے مقید کیا ہے، کہ نکاح سے مراد یہ ہے کہ لڑکے کے غیر رشتہ دار سے کرے اور اگر وہ لڑکے کے رشتہ دار سے نکاح کرے گی تو اس سے اس کا حق ختم نہیں ہوگا

وَقَدْ قَیَّدَ عُلَمَاءُنَا قَالُوْا بِنِكَاحِ

"ہمارے علماء نے اس حکم کو مقید بیان کیا ہے"

غَیْرِ مُحْرَمٍ یَسْقُطُ وَ بِمُحْرَمٍ لَا کَاُمٍّ نَکَحَتْ عَمَّہٗ لِقِیَامِ الشَّفْقَۃِ
(لمعات حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۹۳)

اور فرمایا ہی بچہ کے غیر رشتہ دار سے اگر نکاح کریگی تو حقِ پرورش ساقط ہوجائیگا ورنہ نہیں، جیسے وہ اس بچہ کے چچا سے نکاح کرلے، تو حق ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ شفقت قائم ہے"

ماں کی تقدیم کی وجہ

ماں کو ترجیح اس کی شفقت ہی کی وجہ سے حاصل ہے، اور چچا کی وجہ سے اس میں کمی کا اندیشہ بالکل نہیں، چنانچہ صاحبِ ہدایہ نے عقلی دلیل یہ دی ہے،

وَلِاَنَّ الْاُمَّ اَشْفَقُ وَ اَقْدَرُ عَلَی الْحِضَانَۃِ فَکَانَ الدَّفْعُ اِلَیْھَا اَنْظَرُ وَ اِلَیْہِ اَشَارَ الصِّدِّیْقُ رض رِیْقُھَا خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ شَھْدٍ وَ عَسَلٍ،
(ھدایہ ص ۴۱۳ ج ۲)

"ماں بچہ پر زیادہ بلکہ سب سے بڑھکر شفیق ہوتی ہے، اور پرورش پر پورے طور پر قادر ہوتی ہے، اس لئے اس کے سپرد کرنا زیادہ مناسب ہے، حضرت صدیق اکبر رض نے اشارہ فرمایا ہے کہ ماں کا لعابِ دہن بچہ کے لئے شہد سے بڑھ کر ہے"

صدیق اکبر رض کا فیصلہ

جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر رض نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دیدی، چنانچہ وہ بچہ لے کر جدا ہوگئی، یہ بچہ آپ سے ہی تھا، اور اس کا نام عاصم تھا، ایک دن آپ کی نظر اس بچے پر پڑگئی، شفقتِ پدری سے بیتاب ہوگئے، اور آپ نے چاہا اسے لے لیں، اس کی ماں نے مزاحمت کی، اس چھینا جھپٹی سے گھبراکر بچہ رونے لگا، چنانچہ یہ مقدمہ حضرت صدیقِ اکبر رض کی خدمت میں پیش ہوا، آپنے فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا:-

يَا عُمَرُ مَسْحُهَا وَحِجْرُهَا وَرِيحُهَا خَيْرٌ مِنْكَ حَتَّى يَشِبَّ الصَّبِيُّ فَيَخْتَارُ لِنَفْسِهٖ، (نصب الرّایہ ص ۲۶۶ ج ۳)	"اے عمر! اس کی ماں کا اس پہ ہاتھ پھیرنا اور اس کی پیار بھری گود اور اس کی بُو اس وقت تک اس بچّہ کے لئے تمھاری شفقت سے بہتر ہے جب تک وہ جوان

ہوجائے، البتہ بعد جوانی اسے اختیار حاصل ہوگا خواہ تمھارے ساتھ رہے یا ماں کے پاس،

ماں کے حق کی مدت

ماں کو حقِ پرورش میں ترجیح سات سال کی عمر تک ہے، اس عمر میں پہنچ کر بچّہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ تنہا بذاتِ خود کھا پی سکے اور پاخانہ پیشاب کرسکے، فقہاء کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتَّى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ۔	"ماں اور نانی لڑکے کی پرورش کی حقدار اُس وقت تک ہے کہ وہ خود سے تنہا کھاپی سکے کپڑا پہن لے اور خود استنجار کرلے"

(ھدایہ، ص ۴۱۴ ج ۲)

اور اس عمر کا اندازہ فقہاء نے اسی سات سال کی عمر سے کیا ہے،

وَالْخَصَّافُ قَدَّرَ الْاِسْتِغْنَاءَ بِسَبْعِ سِنِيْنَ اِعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ (ھدایہ، ص ۴۱۴ ج ۲)	"عادت پر قیاس کرکے امام خصاف نے بے نیازی کی مدّت سات سال کی عمر لگائی ہے"!

اور عادۃً اس عمر میں بلاشبہ لڑکا اس لائق ہوجاتا ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمھارے بچّے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کا حکم دو اور نماز پڑھنا سکھاؤ،

آداب وتعلیم باپ کے ذمّہ

آداب اور تعلیم کی ذمّہ داری غریب ماں کے بس کی بات بھی نہیں، یہ خدمت باپ ہی حُسن وخوبی سے انجام دے سکتا ہے اور عام طور سے اولوالعزمی اور اونچی تعلیم کا جو معیار ایک باپ قائم کرسکتا ہے ماں اتنا اونچا سوچ بھی نہیں سکتی، بلکہ لاڈ وپیار میں بگاڑنے کا ہی خطرہ لگا ہوتا ہے، صاحبِ ہدایہ نے وجہ لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

وَجْهُهُ أَنَّهُ إِذَا اسْتَغْنَى يَحْتَاجُ إِلَى التَّأَدُّبِ وَالتَّخَلُّقِ بِآدَابِ الرِّجَالِ وَأَخْلَاقِهِمْ وَالْأَبُ أَقْدَرُ عَلَى التَّادِيْبِ وَالتَّثْقِيْفِ،

(ھدایہ ص ۴۱۴ ج ۲)

"ان رات کی ضرورتوں میں جب بچّہ خود کفیل بن جاتا ہے تو اسے تہذیب و شائستگی اور مردانہ اخلاق واوصاف کی حاجت ہوتی ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ باپ کو تادیب اور آراستگی پر زیادہ قدرت ہوتی ہے، (ماں اتنا نہیں کرسکتی)

باپ پر جبر

اور یہی وجہ ہے کہ خدانخواستہ اگر کوئی باپ اس عمر کے بعد بچّہ کی سرپرستی سے بھاگنا چاہے اور اپنے اس فریضہ کی ادائیگی سے پہلو تہی کرے، تو اس کو معاف نہ کیا جائے گا، بلکہ اس ذمہ داری کے قبول کرنے پر اسے مجبور کیا جائے گا اور جان بچانے کی اجازت نہیں دی جائے گی،

وَيُجْبَرُ الْأَبُ عَلَى أَخْذِ الْوَلَدِ بَعْدَ اسْتِغْنَائِهِ عَنِ الْأُمِّ لِأَنَّ نَفَقَتَهُ وَصِيَانَتَهُ عَلَيْهِ بِالْإِجْمَاعِ

(فتح القدیر، ص ۱۸۵ ج ۴)

"ماں سے بچّہ جب بے نیاز ہو جائے گا تو باپ مجبور کیا جائے گا کہ وہ لڑکے کو اپنی زیر تربیت رکھے، اس لئے کہ اس کا بار اور اسکی حفاظت متفقہ طور پر باپ ہی پر ہے"۔

جبر کی وجہ

بچّہ کا نفقہ تو ہر حال میں پیدائش سے لیکر بلوغ تک باپ ہی کے ذمّہ ہی، یہاں جبر کی وجہ یہ ہے کہ اب جس عمر میں بچّہ پہونچ چکا ہی وہ تعلیم و تربیت کا خصوصی زمانہ ہے، اس کے اخراجات اور اس سلسلہ کا اہتمام باپ کے سوا اور کون برداشت کرسکتا ہے، بچّہ سات سال بعد ماں کے یہاں باپ سے بے نیاز بن کر رہنا بھی چاہے تو اسے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، البتہ نگرانی باپ کرلے اور رہے ماں کے پاس اور باپ اسے اس کے مستقبل کے پیش نظر پسند بھی کرلے تو اس کی اجازت ہوگی، بچہ کو اس عمر میں خود مختار نہ بنایا جائے گا، اس لئے کہ اوّلاً یہ عمر عدمِ بلوغ کی خود مختاری کی نہیں ہوتی، دوسرے اگر اسے خود سر چھوڑ دیا جائے گا تو یہ اس راستہ کو اختیار کرے گا جس میں اسے کھیل اور تفریح کی آزادی مل سکے چنانچہ امام محمد بن الحسن رح نے لکھا بھی ہے :-

لَا یُخَیَّرُ الْغُلَامُ لِاَنَّہٗ یَخْتَارُ اِلَّا شَرَّ الْاَمْرَیْنِ،

(احکام القرآن للجصّاص ص۴۰۶ ج۱)

"لڑکے کو اختیار نہیں سونپا جائے گا اس لئے کہ وہ بدترین صورت ہی کو اختیار کرے گا"

نابالغ اولاد خود مختار نہیں

ابو بکر جصّاص رح نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ لڑکا تو فطرتاً اس کی خواہش کرے گا کہ لکھنے پڑھنے اور دوسری چیزوں سے نجات ملے، حالانکہ باپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے بال بچّوں کی تربیت ایسی کرو جو اسے جہنم کے راستہ سے الگ کرکے جنّت کی طرف لے جائے، پھر باپ کو تعلیم و تربیت پر ایسی پوری قدرت حاصل ہوتی ہی کہ وہ نہ ماں کے بس کی بات ہے اور نہ کسی اور کے،

قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ هُوَ کَذٰلِكَ لِاَنَّهٗ يَخْتَارُ اللَّعِبَ وَالْاِعْرَاضَ عَنْ تَعَلُّمِ الْاَدَبِ وَالْخَيْرِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ الْاَبَ اَقْوَمُ بِتَادِيْبِهٖ وَتَعْلِيْمِهٖ وَاَنَّ فِیْ کَوْنِهٖ عِنْدَ الْاُمِّ ضَرَرًا عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ يَنْشَاُ عَلٰى اَخْلَاقِ النِّسَاءِ،

(احکام القرآن للجصّاص ص ۴۰۶ ج ۱)

"ابوبکر جصاص رح نے کہا کہ بات یونہی ہے کہ بچّہ لہو ولعب سے دلچسپی لے گا، اور تہذیب وشائستگی سے جان چرائے گا، حالانکہ حکمِ خداوندی یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ، اور یہ معلوم ہی کہ بچہ کی تعلیم وتربیت پر باپ پوری قدرت رکھتا ہی، اور ماں کے پاس رہنے میں اس کا سراسر نقصان ہی، اس وجہ سے کہ عورتوں کی عادات پر اس کی نشو ونما ہو گی (جو کسی طرح لڑکے کے لئے مفید نہیں)"

بلوغ کے بعد اختیار

البتہ باپ اس بچّہ سے ماں کو ملنے سے نہیں روک سکیگا، بلکہ بچّہ ماں سے ملتا جلتا رہے گا اور ماں اپنے معصوم بچّہ سے، اس لئے کہ بچّہ کا رشتہ جس طرح باپ سے ہے ماں سے بھی ہے، لڑکا جب بالغ ہوجائے گا تو اسے اختیار دیا جائے گا، کہ جس کے ساتھ چاہے رہے،

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ غُلَامًا بَيْنَ اَبِيْهِ وَاُمِّهٖ

(رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص ۲۹۳)

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو اختیار دیا ہی کہ ماں کے ساتھ زندگی بسر کرے یا باپ کے ساتھ"

حدیث میں اس طرح کے ایک مقدمہ کا تذکرہ بھی ہے کہ میاں بیوی اپنے لڑکے کے سلسلہ میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور ہر ایک نے اپنا حق جتلایا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بالغ لڑکے کو مخاطب کرکے فرمایا:

هٰذَا اَبُوْكَ وَهٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ اَيِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِيَدِ اُمِّهٖ (مشکوٰۃ ص ۲۹۳)

"میاں یہ تمھارے باپ ہیں اور یہ تمھاری ماں ان میں سے جس کا جی چاہے ہاتھ تھام لو، اس نے ماں کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیا"

بعض عیوب کی وجہ سے ماں کا حق سلب

سات سال کی عمر تک عورت کو جو حق اسلام نے پرورش کا عطا کیا ہے، اگر ایسے عیوب اس عورت کے اندر پیدا ہو جائیں جو لڑکے کی تربیت میں حارج ہوں، یا اخلاق کے لئے مضر، تو پھر وہ ماں اپنے اس حق سے محروم ہو جائے گی، جیسے وہ مرتد ہو جائے، یا اس طرح کے فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے کہ لڑکے کی پرورش پر وہ پورے طور پر دھیان نہ دے سکے، اور زیادہ بے پرواہ ہو، لڑکے کی دیکھ بھال پر متوجہ نہ ہو،

ثَبَتَتْ لِلْاُمِّ النَّسَبِيَّةِ وَلَوْ كِتَابِيَّةً اَوْ مَجُوْسِيَّةً وَلَوْ بَعْدَ الْفُرْقَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ مُرْتَدَّةً فَحَتّٰى تُسْلِمَ لِاَنَّهَا تُحْبَسُ اَوْ فَاجِرَةً فُجُوْرًا يَضِيْعُ الْوَلَدُ بِهٖ كَزِنَاءٍ اَوْ غِنَاءٍ اَوْ سَرِقَةٍ وَنِيَاحَةٍ الخ اَوْ غَيْرَ مَامُوْنَةٍ بِاَنْ تَخْرُجَ كُلَّ وَقْتٍ وَتَتْرُكَ الْوَلَدَ ضَائِعًا

"حقِ پرورش نسبی ماں کو حاصل ہوگا خواہ وہ کتابی (یعنی عیسائی یا یہودی) ہو یا مجوسی شوہر کے پاس ہو یا شوہر سے جدا ہو چکی ہو مگر اس وقت وہ اپنے اس حق سے محروم ہو جائے گی، جبکہ وہ اسلام سے پھر جائے اور پھر دوبارہ اسلام قبول نہ کرے کیونکہ ارتداد کے زمانہ میں وہ قید خانہ میں ہوگی، یا جب وہ ایسے فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے

(درمختار باب الحضانۃ) | جو بچہ کو ضائع کر دینے والا ہو، جیسے ناکارِی

گانا بجانا، چوری اور نوحہ گری، یا جب اس پر اس وجہ سے اطمینان باقی نہ رہا ہو کہ وہ ہر وقت ماری ماری پھرتی ہو اور بچہ کو تنہا چھوڑ دیتی ہو"

غیر نمازی ماں کا حق

اگر فاسقہ بایں معنیٰ ہے کہ نماز نہیں پڑھتی تو اس کی وجہ سے اس کا حقِ پرورش ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ جب مجوسیہ اور کتابیہ کو حقِ پرورش حاصل ہے تو پھر مسلمان کو کیونکر حاصل نہ ہوگا، غیر مذہب والی سے تو بہرحال بہتر ہی ہوگی، دوسرے یہ کہ یہ عمر بچہ کی تعلیم کی ہوتی بھی نہیں، چنانچہ جب وہ اس عمر میں قدم رکھتا ہے تو باپ کی ذمہ داری میں چلا جاتا ہے[1]،

لڑکی کس عمر تک ماں کے پاس رہے گی

عمر کی یہ بحث تو لڑکے کے لئے ہے، لیکن اگر وہ لڑکی ہے تو ماں سے علیحدگی کی عمر وہ نہیں ہوگی جو لڑکے کیلئے ہے، بلکہ بالغ ہونے کے وقت تک وہ ماں کے پاس رہے گی، یا اُس کے پاس جو ماں کی جگہ رشتہ داروں میں پرورش کی شرعاً ذمہ دار ہوئی ہے، اس لئے کہ لڑکیوں کی تربیت ماں یا دوسری رشتہ دار عورت جس طرح کر سکتی ہے باپ نہیں کر سکتا ہے، بلوغ کے بعد البتہ چونکہ شادی بیاہ کا مسئلہ پیدا

---

[1] مگر یہ واضح رہے کہ کسی ماں کو غیر نمازی اور غیر دیندار ہرگز نہیں رہنا چاہئے، بلکہ اخلاقِ فاضلہ اور محاسن و مکارمِ اخلاق سے آراستہ ہونا چاہئے، تاکہ بچے پر کسی طرح کا کوئی ناگوار اثر پڑنے نہ پائے ۱۲ ظفیر

ہوتا ہے، اور اس کی ذمہ داری اور عفّت و عصمت کا زیادہ پاس باپ کو ہوتا ہے، اور وہ اس پر پوری قدرت بھی رکھتا ہے، کہ بلوغ کے بعد شادی کا جلد سے جلد انتظام کردے، باپ کے پاس بھیجدی جائے گی، یعنی قانونی حق باپ کو حاصل ہوگا خواہ وہ اسے ماں یا نانی وغیرہ کے پاس ہی رہنے دے،

وَالْاُمُّ وَالْجَدَّۃُ اَحَقُّ بِھَا بِالصَّغِیْرَۃِ حَتّٰی تَحِیْضَ اَیْ تَبْلُغَ (درمختار)

"ماں اور نانی بلوغ تک بچی کی پرورش کی حقدار باقی رہیں گی"

ماں اور نانی کے سوا کوئی اور رشتہ دار عورت اگر پرورش کی ذمہ دار ہو جیسے خالہ، پھوپھی وغیرہ قانونی حق اُن کے لئے نوسال کی عمر تک ہے، اس کے بعد نہیں، فقہاء نے صراحت کردی ہے،

وَغَیْرُھُمَا اَحَقُّ بِھَا حَتّٰی تَشْتَھِیْ وَقُدِّرَ بِتِسْعٍ وَبِہٖ یُفْتٰی، (درمختار)

"ماں اور نانی کے علاوہ رشتہ دار عورت بچّی کی پرورش کی حق دار نوسال کی عمر تک رہے گی"

ماں کے بعد دیگر رشتہ دار کو حقِّ پرورش

اگر کسی لڑکے یا لڑکی کی ماں کا انتقال ہوجائے، یا وہ کسی شرعی وجہ سے پرورش کے لائق باقی نہ رہے، تو یہ حق نانی کو حاصل ہوگا، پھر دادی کو، یہ بھی نہ ہوں تو پھر بہنوں کو، پھر خالہ کو، پھر پھوپھی کو، اور یہ سب بھی نہ ہوں تو ماں کی خالہ، پھر باپ کی خالہ، پھر ماں اور باپ کی پھوپھیاں اسکی مستحق ہونگی:-

ثُمَّ اُمُّ الْاُمِّ الخ ثُمَّ اُمُّ الْاَبِ وَاِنْ عَلَتْ ثُمَّ الْاُخْتُ لِاَبٍ

"پھر نانی پھر دادی، پھر سگی بہن، پھر اخیافی بہن، پھر علاتی بہن، پھر اسی اعتبار

وَالْاُمِّ ثُمَّ لِاُمٍّ ثُمَّ لِاَبٍ ثُمَّ الْخَالَاتُ كَذٰلِكَ ثُمَّ الْعَمَّاتُ كَذٰلِكَ ثُمَّ خَالَةُ الْاُمِّ كَذٰلِكَ ثُمَّ خَالَةُ الْاَبِ كَذٰلِكَ ثُمَّ عَمَّاتُ الْاُمَّهَاتِ وَالْاٰبَاءِ بِهٰذَا التَّرْتِيْبِ (در مختار مختصراً)

خالائیں، پھر پھوپھیاں، پھر ماں کی خالہ، پھر باپ کی خالہ، پھر ماں کی پھوپھیاں، پھر باپ کی، علی الترتیب جیسا اوپر ذکر کیا"۔

یہ سلسلہ بھی نہ ہو تو اس کے بعد عصبات کا درجہ ہے، ارث کی ترتیب پر کہ پہلے باپ، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا بھائی، اور پھر بھائی کے لڑکے، اسی ترتیب سے، پھر چچا پھر اُس کے لڑکے،

ثُمَّ الْعَصَبَاتُ بِتَرْتِيْبِ الْاِرْثِ فَيُقَدَّمُ الْاَبُ ثُمَّ الْجَدُّ ثُمَّ الْاَخُ الشَّقِيْقُ ثُمَّ لِاَبٍ ثُمَّ بَنُوْهُ كَذٰلِكَ ثُمَّ الْعَمُّ ثُمَّ بَنُوْهُ، (در مختار، باب الحضانۃ)

"پھر ارث کی ترتیب پر حقِ پرورش عصبات کو حاصل ہوں گے، لہٰذا پہلا درجہ باپ کا پھر دادا کا، پھر سگے بھائی کا، پھر سوتیلے بھائی کا، پھر بھتیجوں کا، پھر چچا کے لڑکوں کا"

فاسق کے ذمہ بچے نہیں کئے جائیں گے

مگر عصبات میں جو فاسق ہوں گے ان کو حقِ پرورش حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ ان کا دیندار اور ثقہ ہونا ضروری ہے، اور اگر ایک ہی رشتہ کے جن کو حقِ پرورش پہونچتا ہے کئی ہوں، جیسے چچا دو یا تین، تو اس وقت جو اُن میں متقی اور پرہیزگار ہوگا اسے ترجیح حاصل ہوگی، پھر سن رسیدہ کو،

وَاِذَا اجْتَمَعُوْا فَالْاَوْرَعُ ثُمَّ الْاَسَنُّ (در مختار)

"پھر کئی جمع ہو جائیں تو ان میں سے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو پھر جو سن رسیدہ ہو"۔

اور عصبات میں اگر کوئی باقی نہ رہے تو یہ حق ذوی الارحام ننھیالی خاندان کی طرف منتقل ہو جائے گا،

ثُمَّ اِذَا لَمْ یَکُنْ عَصَبَتُہٗ فَلِذَوِی الْاَرْحَامِ (درمختار)

"جب عصبات میں کوئی نہ ہو تو یہ حق ذوی الارحام کو حاصل ہوں گے"

اسلام کسی منزل پر کسی بچّے کو بے سہارا نہیں چھوڑتا، کہیں نہ کہیں اس کا قانونی حق ثابت کرتا ہے، یوں بابِ اخلاق میں اسلام نے جو ترغیب و ترہیب کا پہلو اختیار کیا ہے، اور جس جس طرح اپنے پیروؤں کے دلوں میں انسانی عزت و احترام راسخ کیا ہے یہ اپنی مثال آپ ہے،

فقہاء نے ایک مسلمان کی حرمت کو حرمتِ قبلہ پر ترجیح دی ہے؛

بَلْ حُرْمَۃُ الْمُسْلِمِ الْوَاحِدِ اَرْجَحُ
مِنْ حُرْمَۃِ الْقِبْلَۃِ (رد المحتار ص ۴۹٦/۱)

"ایک مسلمان کی حرمت حرمتِ قبلہ سے
بڑھی ہوئی ہے"

بچّے اور مذہبی تعلیم

پرورش میں اس کا شروع سے خیال رکھا جائے کہ تربیت اسلامی اور دینی لائن پر ہو، کوئی ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کیا جائے جو مذہبی اور دینی اعتبار سے لڑکے کے لئے مضر ہو اور اس کی آئندہ زندگی کے لئے زہرِ ہلاہل،

دینی آداب کا لحاظ و پاس

کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے، ہر موقع پر بچّے کو دینی آداب کی تعلیم دی جائے، مثلاً کھانے میں بتائے کہ بیٹا دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ میں گلاس لے کر پانی پیو، اسی طرح بیٹھکر کھاؤ اور بیٹھ کر پیو، چلتے ہوئے کھانا نہیں چاہئے اور کھڑے ہو کر پانی پینے سے اسلام میں روکا گیا ہے،

پھر اسے بتائے کہ پاک اور حلال چیز کھاؤ پیو، ناپاک اور ناجائز کھانے پینے سے بچو، بچہ پیشاب کرنا چاہے تو اسے بتایا جائے کہ بیٹھکر پیشاب کیا کرو، کھڑے کھڑے پیشاب کرنا گناہ کی بات ہے، قبلہ کی طرف مُنہ نہ ہو، جوتا پہننے لگے تو اوّل دن سے اسے تعلیم دے کہ پہلے دائیں پیر میں پہنو پھر بائیں میں، اور جب اُتارو تو پہلے بائیں پاؤں سے پھر دائیں سے، چلنا ہو تو اسے بتایا جائے کہ بڑوں کے آگے آگے چلا نہیں کرتے گفتگو کے موقع پر سکھایا جائے کہ ادب اور تمیز کے ساتھ بات کیا کرتے ہیں،

شوخی اور بد تہذیبی درست نہیں ہی، گویا ایک ایک قدم پر دینی اصول کا لحاظ و پاس رکھا کرے، اور بچوں اور بچیوں کو محبت اور پیار سے سکھایا کرے، اُن کی تعلیم و تربیت کی طرف سے ایک لمحہ غافل ہونا بھی جُرمِ عظیم ہے، بچپن کی بات دل پر نقش ہو جایا کرتی ہے اور اخیر عمر تک اپنا اثر رکھتی ہے،

بولنے پر قدرت کے بعد پہلی تعلیم

یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِذَا اَفْصَحَ الْوَلَدُ فَلْيُعَلِّمْهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (حصن حصین ص۱۲۱)	"بچہ جب بولنا شروع کرے تو اُسے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تعلیم دو"۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح پیدا ہوتے ہی توحید، رسالت اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی آواز اس کے کانوں میں پہونچائی گئی تھی، اب جبکہ اس نے زبان کھولی ہے تو خود اس کی زبان سے بھی پہلے پہل یہی کلمۂ توحید ادا کرایا جائے اور اسی کی اسے تلقین کی جائے، پھر جونہی ہوش و حواس سنبھالے اس کے معنی مفہوم بھی ذہن نشین کرانے کی سعی ہونی چاہئے،

علماء نے اس حدیث کے پیش نظر صراحت کی ہے کہ پہلے کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی سکھایا جائے، اور اس پورے کلمۂ طیبہ کی شات بار تلقین کی جائے، پھر اس آیت کی تلقین کی جائے، فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ، اسی طرح آیۃ الکرسی کی اور سورۂ حشر کی آخری آیت کی یعنی هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ سے الْحَكِيْمُ ہ تک،

ادب و تمیز کا سلیقہ

مگر سکھانے کا بھی سلیقہ ہونا چاہئے، اور موقع و محل کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے، اس لئے کہ بعض لوگوں میں تربیت کا ہیضہ ہوتا ہے کہ بچّہ کو متنفر کر دیا کرتے ہیں اور شروع سے اس کے دل میں دین سے بغاوت پیدا کر دیا کرتے ہیں،

والدین کی حیثیت امین کی ہے

باپ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے، کہ بچّے اس کے پاس خدائے تعالےٰ کی امانت ہیں، جو پاک و صاف دُھلے دُھلائے فطرتِ اسلام پر ان کے سپرد کئے گئے ہیں، آگے اُن کی ذمّہ داری ہے کہ ان جاندار کلیوں کی ایسی پرورش کریں کہ رنگ و بُو کی دلآویزی میں فرق نہ آنے پائے،

اِنَّ الْوَلَدَ اَمَانَۃُ اللّٰہِ عِنْدَہٗ اَوْدَعَہٗ اَبَاہُ طَاہِرًا مُّطَھَّرًا عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ ،

(شرح شرعۃ الاسلام ص ۴۵۹)

"بچہ والدین کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت کے درجہ میں ہے جسے ربّ العزت نے ان کے پاس پاک و صاف فطرتِ اسلام پر پیدا کر کے امانت رکھ چھوڑا ہے"،

بچّہ کی تربیت میں والدین کے اخلاق کے اثرات

حدیث میں آتا ہے کہ ہر بچّہ فطرۃً اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے والدین اسے مجوسی، یہودی یا عیسائی بناتے ہیں، یعنی قدرت کی طرف سے کمال نزاہت اور صالح فطرت ان بچّوں کو بخشی جاتی ہے، پھر دنیا میں گھریلو ماحول سے متاثر ہوتے ہیں اور ظلمت و ضلالت کی وادی میں گم ہو جاتے ہیں، یا ہدایت و صداقت اور حقانیت کے مینار کو پالینے میں کامیابی سے

ہم کنار ہوتے ہیں،

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ متفق عليه (مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر، ص۲۱)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناڈالتے ہیں جیساکہ چوپایہ کامل الخلقت بچہ جنتا ہے جس میں تم کوئی کمی محسوس نہیں کرتے"

اس حدیث میں صراحت ہے کہ بچے کے بگڑنے اور بننے کی ذمہ داری والدین کے سر ہے، وہی اپنی اولاد کو صالح اور نیک بناتے ہیں اور وہی اُن کی گمراہی اور بے راہ روی کا ذریعہ بنتے ہیں، اور اُن کی ہی غفلت و بے پرواہی اُسے تباہ و برباد کرتی ہے،

انسان میں استعداد

مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے معنی لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

وَالْمَعْنٰى مَا اَحَدٌ يُوْلَدُ اِلَّا عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ الَّذِىْ هُوَ تَمَكُّنُ النَّاسِ مِنَ الْهُدٰى فِىْ اَصْلِ الْجِبِلَّةِ وَالتَّهَيُّؤُ لِقَبُوْلِ الدِّيْنِ فَلَوْ تُرِكَ عَلٰى تَمَكُّنِهٖ وَتَهَيُّؤِهٖ.

مُعنی یہ ہی کہ ہر ایک بچہ ایسی فطرت لیکر پیدا ہوتا ہے کہ اس میں جبلّت کے اعتبار سے ہدایت اور قبولِ دین کی صلاحیت اور اس کے اسباب پوری توانائی سے پائے جاتے ہیں، اگر اس کو اس کی قدرت

الْمُنْكَرِيْنَ لَا اسْتَمَرَّ عَلَى الْهُدٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يُفَارِقُوْهُ إِلٰى غَيْرِهِ لِاَنَّ حُسْنَهُ رُكِزَ فِي النُّفُوْسِ فَلَمْ يَقَعْ لَهَا عُدُوْلٌ عَنْهُ إِلَّا لِآفَةٍ بَشَرِيَّةٍ اَوْ تَقْلِيْدٍ لِلْغَيْرِ وَلِذَا قَالَ تَعَالٰى اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى، فَجَعَلَ الْهُدٰى رَأْسَ الْمَالِ، اَلْحَاصِلُ عِنْدَهُمْ ثُمَّ عَرَضُوْهُ لِلزَّوَالِ بِبَذْلِهٖ فِيْ اَخْذِهِمُ الضَّلَالَةَ الْبَعِيْدَةَ عَنْهُمْ، (مرقاۃ، ص ۱۳۵ ج ۱)	اور استعداد پر باقی رکھا جائے، تو وہ برابر ہدایت اور دین کی دولت سے ہم آغوش رہی، اس سے جدا ہونے کا نام تک نہ لے، اس وجہ سے کہ اس کی خوبیاں اس کے اندر پیوست ہوتی ہیں، لہٰذا وہ اس مرکزی نقطہ سے اس وقت تک نہیں ہلتا ہے جب تک انسانی آفات اور غیر کی پیروی سے وہ متاثر نہیں ہوتا، اور یہی وجہ ہے کہ ربّ العزت نے فرمایا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت دے کر گمراہی مول لی ہے"، اس آیت میں ہدایت کو راس المال (اصل پونجی) قرار دیا ہے، جو

اُن کو پہلے سے حاصل تھی، پھر انھوں نے اپنے اس اصل سرمایۂ ہدایت کو اس گمراہی پر ضائع کر ڈالا جس کا اس وقت نام و نشان بھی نہ تھا۔"

تاریخ بھی یہی شہادت پیش کرتی ہے کہ فطرتِ انسانی خیر واقع ہوئی ہے اور طبعًا انسان اس چیز کو قبول کرتا ہے جو اُسے اللہ تعالیٰ سے قریب کردے، مذہب و ادیان کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مذہب و مسلک کے ماننے والے ہدایت اور اللہ جل مجدہٗ کا نام لے کر ہی اپنی طرف بلاتے ہیں، ساری کشش اور جاذبیت اسی نام میں ہے، چنانچہ اہلِ علم کا وہ طبقہ جس کا مطالعہ وسیع

ہوتا ہے، اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اس نے اسلام کا بھی بغور مطالعہ کیا ہے، وہ اس اعتراف پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ حقانیت وصداقت کی روشنی پورے طور پر اسی دینِ قیّم میں جلوہ گر ہے، جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیکر آئے، اور یہی وجہ ہے کہ سعید روحیں اس حقیقت کے پالینے کے بعد علی الاعلان اسلام کی چوکھٹ پر گردن جھکا دیتی ہیں اور سب سے کٹ کر اسی پر نثار ہونے لگتی ہیں،

ماحول کے اثرات

بچوں کو پیدائش کے بعد اگر ایسا ساز گار ماحول میسّر ہو، جہاں کفر وشرک اور ظلمت وضلالت کے بادل اُمنڈ اُمنڈ کر برس نہ رہے ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بچے کا مستقبل تابناک نہ ہوسکے اور وہ مستقبل میں انسانیت وحقّانیت کے مینار ثابت نہ ہوں،

جب یہ عام بچوں کا حال ہے تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ وہ بچے جو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی ماحول میں پرورش پاتے ہیں وہ آخر کیوں مؤمنِ کامل نہیں بن سکتے ہیں، صحابۂ کرامؓ کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، کہ اُن کے گھروں میں جو بچے پیدا ہوئے اُفقِ تاریخ اسلام پر آفتاب وماہتاب بنکر چمکے، ہمارے بچوں میں اس لئے دین سے عشق نہیں پیدا ہوتا کہ ہمارے گھروں کا ماحول بدل گیا، اور خود ہم میں وہ تڑپ باقی نہیں رہی جو ہمارے اسلاف میں تھی،

خلاصہ یہ ہی کہ مسلمان بچوں کا مستقبل دینی اعتبار سے ان کے والدین کے ذمہ ہے، اگر کوئی دین سے ناآشنا نظر آتا ہے تو بغیر کسی تردد کے یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ اس کا گناہ اُن کے والدین اور اُن کے گھر کے غیر دینی ماحول پر ہے، جہاں خدا ترسی اور خدا پرستی کی چہل پہل نہیں ہوتی،

بچّوں کی دینی تعلیم کا فریضہ والدین پر ہے

پھر اس طرح بھی سوچنا چاہئے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور دین سے آشنا بنانے کا فریضہ والدین کے سر ڈالا گیا ہے، ارشادِ ربّانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ (التحریم)	"اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن اور سوختہ آدمی اور پتھر ہیں"

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

"تم کو بھی حکم دیا جاتا ہے کہ تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن اور سوختہ آدمی اور پتھر ہیں، اپنے کو بچانا خود اطاعت کرنا ہے، اور گھر والوں کو بچانا ان کو احکامِ الٰہیہ سکھلانا ہے، اور اُن پر عمل کرانے کے لئے زبان سے، ہاتھ سے، بقدرِ امکان کوشش کرنا ہے،، (بیان القرآن، ص ۲۳ ج ۱۳)

اس آیت کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان اولاد کی دینی تربیت کے فریضہ سے انکار نہیں کر سکتا، بلکہ اُسے اقرار کرنا ہوگا کہ ربّ العزّت کی طرف سے والدین اور پرورش کرنے والوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ احکامِ خداوندی کی تعلیم اور اس سلسلہ کے آداب و تمیز اپنے جگر پاروں اور ملک و ملّت کے نونہالوں کو یقینی طور پر سکھائیں، خواہ یہ احکام و آداب اوامر سے متعلق ہوں یا نواہی سے، حضرت علیؓ سے اس آیت کے سلسلہ میں روایت ہے کہ اس آیت کا منشاء

یہ ہے کہ بچوں کو خیر کی تعلیم دی جائے، اور حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہی کہ ان کو بھلی بات کا حکم دیا جائے اور بُری باتوں سے روکا جائے،

رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ فِیْ قَوْلِہٖ قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ الخ قَالَ عَلِّمُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمُ الْخَیْرَ وَاَدِّبُوْھُمْ،

"آیت قُوْا اَنفسکم الخ کے سلسلہ میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو تعلیم دو اور انکو آداب سکھاؤ"

(احکام القرآن للجصّاص ص ۲۶۶ ج ۳)

حضرت حسنؓ کا قول یہ ہے:

تُعَلِّمُھُمْ وَتَاْمُرُھُمْ وَتَنْھَاھُمْ،

(احکام القرآن للجصّاص ص ۲۶۶ ج ۳

اُن کی تعلیم کا نظم کرو اور انھیں بھلی باتوں کا حکم دو اور بُری باتوں سے منع کرو"

دینی تعلیم اور شرعی آداب

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ ان اقوال کو نقل کرکے فرماتے ہیں:۔

وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰٓی اَنَّ عَلَیْنَا تَعْلِیْمَ اَوْلَادِنَا وَاَھْلِیْنَا الدِّیْنَ وَالْخَیْرَ وَمَا لَا یُسْتَغْنٰی عَنْہُ مِنَ الْاٰدَابِ ھُوَ مِثْلُ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا،

(احکام القرآن للجصّاص ص ۲۶۶ ج ۳)

"یہ آیت اس بات کو بتاتی ہے کہ ہم لوگوں پر اپنی اولاد کی اور گھر والوں کی دینی تعلیم کا فریضہ عائد ہوتا ہے اور ان آدابِ شرعی اور اچھی باتوں کا بھی جن سے چارۂ کار نہیں، اور یہ ایسی ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر خود بھی جمے رہو"

جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اس قدر بات کھل کر سامنے آگئی کہ اولاد کی تعلیم و تربیت والدین اور دوسرے رشتہ داروں پر جو والدین کی جگہ لیں ضروری ہے کہ خواہ یہ تعلیم و تربیت عقائد سے متعلق ہو یا اخلاق و معاملات سے اور یا پھر اس کا تعلق تدبیرِ منزل سے ہو یا شہری اور ملکی فرائض سے،

اسلام ہر اچھی چیز کی تعلیم دیتا ہے،

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ اسلام ایک معمولی ادب سے لے کر جہانبانی تک کے قوانین کی اپنے پیرو کو تعلیم دیتا ہے، اور اسی شد و مد سے دیتا ہے جو دینے کا حق ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک دفعہ بعض مشرکین استہزاءً کہنے لگے کہ تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو استنجاء تک کی تعلیم فرماتے ہیں نا؟

حضرت سلمانؓ نے یہ سن کر برجستہ جواب دیا:

اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَّا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِاَيْمَانِنَا الخ (مشکوٰۃ ص ۴۲)	"ہاں! آپؐ کا ہمیں ارشاد ہے کہ استنجا میں قبلہ کی طرف رخ نہ کریں، اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا پاک کریں"!

کہنا یہ ہے کہ اسلام جب ان معمولی چیزوں کو اتنی اہمیت دیتا ہے اور ان سے صرفِ نظر نہیں کرتا تو اُن دوسری چیزوں سے غفلت کب جائز قرار دے گا جو بنیادی حیثیت رکھتی ہیں،

والدین کی طرف سے اولاد کو بہترین عطیہ

اتنی بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ بچے کا پہلا مکتب ماں کی محبت بھری گود ہے، اور باپ کا اس بچپنے میں پیار، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام

اس زرّیں زمانہ کو نظر انداز کر دیتا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا خَيْرًا مِّنْ أَدَبٍ حَسَنٍ، (احکام القرآن ص۴۶ ج۳)	"باپ اپنی اولاد کو حسنِ ادب سے بڑھکر کوئی اور چیز عطا نہیں کرتا"

اچھی تعلیم و تربیت سے بڑھکر واقعۃً بچّے کے حق میں کوئی اور چیز ہے بھی نہیں، اسی حسنِ ادب سے اس کی زندگی بنتی اور سنورتی ہے، اور اسی میں ذرا سی غفلت سے اس کا مستقبل تاریک بنتا ہے، لہٰذا والدین کا فرض منصبی ہے کہ وہ ایک لمحہ بھی اس طرف سے غافل نہ ہوں،

بچہ کا حق والدین پر

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:-

حَقُّ الْوَلَدِ عَلٰى وَالِدِهٖ أَنْ يُّحْسِنَ اِسْمَهٗ وَيُحْسِنَ أَدَبَهٗ (احکام القرآن ص۴۶ ج۳)	"اولاد کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ ان کا اچھا نام رکھے اور بہترین ادب سکھائے"

اچھے نام کے سلسلہ میں پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ نام کے اثرات بھی ہوتے ہیں اور اسے بھی انسانی زندگی کے سنوارنے میں بڑا دخل ہوتا ہے، رہا اچھا ادب یہ وہ چیز ہے جس کی اہمیّت سے اس دَور میں کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا،

تعلیم کے سلسلہ میں باپ کی تخصیص اور اُس کی وجہ

ماں کے بجائے حدیث میں باپ کا نام اس لئے لیا گیا ہے کہ یہ گھر کا نگراں ہوتا ہے، اور بچّے کی ماں پر از راہِ محبّت حکمراں اور زن وشو کی زندگی میں قرآن پاک نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے، اور اس زندگی کی صدارت مرد کے سپرد کی ہے،

پھر ماں اپنی غایتِ محبت میں حال پر تو نظر رکھے گی مگر مستقبل پر اس کی نگاہ اس طرح مرکوز نہیں رہ سکتی جس طرح باپ کی، اس لئے ذمّہ داری کے سارے کام باپ کے حصہ میں دیئے گئے ہیں، یوں ماں بھی ذمّہ دار ہے، اور اُسے بھی اس سلسلہ میں معاف نہیں کیا جا سکتا ہے، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، متفق علیہ، (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)	تُم میں تمام کے تمام نگراں ہیں اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (زیرِ نگرانی رہنے والوں) کے سلسلہ میں سوال ہوگا"۔

ماں پر تعلیمِ اولاد کی ذمّہ داری

جس طرح نگراں کا فریضہ ہے کہ اپنے ماتحتوں کی حمایت کرے، ان کے مصالح اور فوائد پر نظر رکھے، اسی طرح اس کا فریضہ یہ بھی ہے کہ تعلیم و تربیت کا انتظام کرے، پھر ماں بھی بچّہ کی نگراں ہے، لہٰذا اگر اخلاقی تربیت میں اس کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی تو اُس سے بھی باز پُرس کی جائے گی، اور باپ پر ماں اور بچّہ دونوں کی ذمّہ داری ہے،۔

اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ،	"مَرد اپنے گھر والوں کا محافظ و نگراں ہے اور ان لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا"۔

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

اور ماں کے متعلق ارشادِ نبوی ہے:۔

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ متفق علیہ	"اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی محافظ و نگراں ہے اور اس سے ان زیرِ نگرانی

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ، ص۳۲۱) | رہنے والوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔"

اس فرمانِ نبوی میں کس تیقّن کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مرد پورے گھر کا نگراں ہے، کہ ہر ایک کی اس کے مرتبہ کے موافق دیکھ بھال رکھے، جہاں اس کی تاکید ہے کہ بیوی اور بچّے کے نان نفقہ میں کوتاہی نہ کرے وہیں اس حدیث میں اس کا بھی حکم ہے بیوی اور بچّے کی دینی حالت کی بھی خبر گیری رکھے، نماز و روزہ اور دوسرے فرائض واجبات کی تاکید کرے،

ٹھیک اسی طرح عورت جہاں بیوی ہونے کی حیثیت سے گھر کی وزارتِ داخلہ کی تکمیل تھامے ہوئے ہے وہاں اس پر بچوں کی ماں اور وزیر داخلہ ہونے کی حیثیت سے یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ بچّوں کی دینی، علمی اور اخلاقی سدھار کی جد و جہد کرے اور جیسے بن پڑے ان میں دینی جذبات کی نشو و نما کا فریضہ انجام دے،

عبادت و معاشرت کی تعلیم کا حکم

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایہ میں والدین کو اُن کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی ہے اور بالخصوص اولاد کی دینی لائن پر تعلیم و تربیت کی تاکید فرمائی ہے،

آپؐ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ ۔ (ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ، ص ۵۸)

"تم اپنے بچے اور بچیوں کو نماز کا حکم دو جب وقت اُن کی عمر سات سال کی ہو جائے اور جب یہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں سستی کرنے پر اُن کو مارو اور نیز ان کے بستر الگ الگ کر دو۔"

اس حدیث میں کس وضاحت کے ساتھ والدین کے لئے حکمِ نبویؐ ہے کہ جب اُن کے بچے اور بچیاں سات سال کے ہوجائیں تو اُن کا فریضہ ہے کہ اُن بچے اور بچیوں کو نماز کی طرف راغب کریں اور بتدریج نماز کا عادی اور شائق بناڈالیں تاکہ آج کی یہ خوشگوار عادت زندگی کے اخیر لمحہ تک ان کو دینی شغف سے وابستہ رکھ سکے،

تربیت میں اعتدال

عموماً بچے اس سات سال کی عمر میں اس لائق ہوجاتے ہیں کہ وہ نماز کی نقل کرسکتے ہیں، اور تھوڑا بہت اپنے والدین کی باتوں کا مفہوم سمجھنے لگتے ہیں، شعور کے سب سے ابتدائی دور ہی میں حکم دیا گیا کہ نماز کی تاکید کی جائے جو عبادات میں عظیم الشان اور عمومی حیثیت رکھتی ہے، اور دس سال کی عمر کے بعد ترکِ نماز پر تنبیہ کا حکم ہے، مگر ایسی تنبیہ ہرگز نہ اختیار کی جائے جو بچوں کو دین کے اس اہم رکن سے باغی بناڈالے اور ہمیشہ کے لئے وہ اس سے متنفر ہوجائیں،

ہمارے اس دور میں اعتدال عنقا ہے، بعض کا مزاج تو ایسا ہے کہ وہ لڑکوں کو باپ کا درجہ دیدیتے ہیں، اور اس کی بے تمیزی پر خوش ہوتے ہیں، یا ضرورت سے زیادہ ڈھیل دیدیتے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کے عادات و خصائل بگڑ جاتے ہیں، اور بعض والدین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ جلاد بنکر بچوں پر سوار رہتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں ہی طریقے غلط ہیں اور افراط و تفریط میں داخل ہیں،

اعتدال کی راہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے اختیار فرمائی، کہ نہ جلاد بنے اور نہ ایسے کہ بچوں کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہوگئے،

بلکہ ایسی تعلیم دی کہ جہاں بچے سنِ شعور کو پہونچتے تھے دین اور احکامِ دین پر نثار ہونے لگتے تھے اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر اپنی جانیں چھڑکنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے،

اس حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو اس کا بھی حکم فرمایا ہے کہ دس سال کی عمر کے بعد ان کے بستر علیحدہ کر دو تاکہ آگے چل کر نفسیاتی طور پر اُن کے اخلاق کو گھن نہ لگنے پائے، اس حصہ کی پوری تشریح میں نے اپنے رسالہ "نسل کشی" میں کی ہے،

حسنِ ادب کی ذمہ داری والدین پر ہے

یہاں اس حدیث کو پیش کر کے ہمیں بتانا یہ ہے کہ والدین کو اسلام نے اولاد کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بنایا ہے، اُن کی عبادات و اخلاق کا بھی اور پاکیزہ معاشرت کا بھی،

ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَاَنْ یُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَہٗ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ
رواہ الترمذی وقال ھٰذا حدیث غریب

"آدمی کا اپنی اولاد کو شریعت کے مطابق آدابِ شرعی کی تعلیم دلانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے"

(مشکوٰۃ باب الشفقۃ ص۴۲۳)

اس حدیث میں والدین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کو آدابِ شرعیہ سکھائیں، تاکہ ان کی آئندہ زندگی دینی اعتبار سے بھی خوشگوار ثابت ہو اور دنیاوی اعتبار سے بھی، یہ ادب سکھانا دونوں طرح ہونا چاہئے، قول سے بھی اور عمل سے بھی، اس لئے کہ کسی چیز کا پورا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب کہنے والا

خود بھی ان اخلاقی محاسن کا پیکر ہو، اور بچے اپنی آنکھوں سے رات دن عمل پیرا دیکھ رہے ہوں،

حُسنِ ادب سے مُرادِ آدابِ شرعی ہیں

مُلا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں آداب سے شرعی آداب ہی مراد ہیں، اور خود عقل بھی یہی کہتی ہے:-

وَلَا شَكَّ اَنَّ الْمُرَادَ بِالتَّادِيْبِ هُنَا تَعْلِيْمُ الْاٰدَابِ الشَّرْعِيَّةِ وَهٰذَا الْمَعْنٰى لَمُسْتَفَادٌ مِّنَ الْاَدِلَّةِ الْقُرْاٰنِيَّةِ وَالْحَدِيْثِيَّةِ (مرقاۃ، ص ۶۹۴ ج ۴)

بلاشبہ اس حدیث نبوی میں تادیب سے مراد آداب شرعیہ ہیں، اور یہ معنی دلائل قرآن و حدیث کے مطابق ہیں۔"

ترکِ تادیب باعثِ عقاب ہے

صاحب المرقاۃ نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہ بچوں کے ادب دینے کو مالی صدقہ[ا] سے بہتر کیوں کہا گیا، لکھا ہے :-

وَاِنَّمَا يَكُوْنُ خَيْرًا لِاَنَّهٗ لِاَنَّ الْاَوَّلَ وَاقِعٌ فِىْ مَحَلِّهٖ لَا مَحَالَةَ بِخِلَافِ

"آداب شرعیہ کی تعلیم بچوں کے لئے اس لئے بہتر قرار دی گئی کہ یہ اپنے محل میں یقیناً

[ا] صدقات کے فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت منقول ہیں، دنیاوی اعتبار سے بھی اور دینی اعتبار سے بھی یہاں ایک جملہ میں آپ نے تادیب کی اہمیت اُجاگر فرمادی کہ وہ سارے فضائل جو صدقات کے سلسلہ میں تم کو معلوم ہیں علم و ادب کا درجہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے ۱۲ ظفیر

الثَّانِیْ فَاِنَّهٗ تَحْتَ الْاِحْتِمَالِ اَوْ لِاَنَّ الْاَوَّلَ اِفَادَةٌ عِلْمِیَّةٌ حَالِیَّةٌ وَالثَّانِیْ عَمَلِیَّةٌ مَّالِیَّةٌ اَوْ لِاَنَّ اَثَرَ الثَّانِیْ سَرِیْعُ الْفَنَاءِ وَنَتِیْجَةُ الْاَوَّلِ طَوِیْلَةُ الْبَقَاءِ اَوْ لِاَنَّ الرَّجُلَ بِتَرْكِ الْاَوَّلِ قَدْ یُعَاقَبُ وَبِتَرْكِ الثَّانِیْ لَمْ یُعَاقَبْ وَاَمْثَالُ ذٰلِكَ ، (مرقاة، ص ۲۹۴ ج ۴)

واقع ہے، اور صدقہ میں صرف احتمال ہے یقین نہیں، یا اس وجہ سے کہ پہلی صورت فوری افادۂ علمی کی ہے اور دوسری صورت عملی مالی کی، یا اس وجہ سے کہ علم وادب کا اثر تادیر باقی رہنے والا اور صدقہ کا جلد ختم ہوجانے والا، یا اس بنیاد پر کہ تعلیم وتربیت کے ترک پر سزا ہوگی اور ترکِ صدقہ پر سزا نہیں ہے اور اسی طرح کے فرق اور ہیں"

تربیت کو بقا ہے

ماحصل یہ ہے کہ مالی صدقات سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ اولاد کی صحیح تربیت کی جائے کہ یہ چیز پائیدار اور نتیجہ خیز ہے، کسی کی بھی زندگی سنوار دینا ایسا ہے کہ اس نے اس کی ایک نسل کو سنوار دیا ہے، اور اپنی اولاد کی تربیت کا کیا کہنا کہ اس کی شرعاً ذمّہ داری بھی اس پہ عائد ہوتی ہے، اور بقول ملّا علی قاریؒ یہ ایسا کارنامہ ہے جسے دوام وبقاء حاصل ہے، اور اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ اگر صدقۂ نافلہ ہے تو اس کا ترک کوئی جُرم نہیں، لیکن اگر اولاد کی دینی تعلیم وتربیت سے غفلت برتی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا مشکل ہے،

ایک شخص کی ہدایت ساری دنیا سے بہتر ہے

طبرانیؒ نے سندِ حسن کے ساتھ ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لَاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْكَ رَجُلًا خَیْرٌ لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ وَغَرَبَتْ،	"اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعہ کسی کو ہدایت سے نواز دیں تو یہ چیز بلاشبہ تمھارے لئے ساری کائنات سے بہتر ہے"،

(مرقاۃ ص۶۹۴ ج ۴)

دینی تعلیم و تربیت کی فضیلت کا اندازہ لگایا جائے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کی دینی تربیت و تعلیم کو پوری کائنات پر ترجیح دیتے ہیں، کیا اس کے بعد بھی دینی تعلیم و تربیت کا انکار جائز ہوگا؟

جب ایک غیر شخص کی دینی تعلیم و تربیت کی یہ اہمیت بیان کی گئی ہے، تو اندازہ لگائیں کہ اپنے لختِ جگر کی تعلیم و تربیت کتاب وسنت کی روشنی میں کس قدر اہم ہوگی جس کی تعلیم و تربیت کا والدین کو مکلف بھی بنایا گیا ہے، اور عقلاً بھی اُن پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے،

یہ یاد رکھا جائے کہ والدین نے اگر دینی تربیت سے اس طرح غفلت برتی کہ اُن کے بچے دین اور دینی احکام سے دُور جا پڑیں تو یہ اُن کے لئے بیحد شرم کی بات ہوگی اور یہ ایسی چیز ہوگی کہ کتاب وسنت کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس جرم میں سب سے پہلے والدین ہی گرفتار ہوں گے،

بچّوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

اِعْمَلُوْا بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَاتَّقُوْا مَعَاصِيَ اللّٰهِ وَاْمُرُوْا اَهْلَكُمْ بِالذِّكْرِ يُنْجِيْكُمُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ۔ (تفسیر فتح القدیر، ص ۲۴۷/۵)

"تم اللہ کی اطاعت پر عمل پیرا رہو اور اسکی نافرمانیوں سے بچتے رہو اور اپنے اہل وعیال کو ذکر اللہ کا حکم دو کہ یہ چیز تمھارے لئے دوزخ سے نجات کا ذریعہ ثابت ہو"

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام والدین کی نجات کے لئے بال بچوں کی دینی تعلیم کو بھی ضروری سمجھتے تھے، جہاں خود عصیان اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا ضروری ہے وہاں بال بچوں کو بچانا بھی ضروری ہے، اس کی شکل یہی ہے کہ اُن کو دین کی تعلیم دی جائے اور اُن کے ذہنوں اور دلوں میں دین کو راسخ و پیوست کیا جائے،

حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ نے اس آیت کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا:۔

اَدِّبُوْا اَهْلِيْكُمْ (تفسیر فتح القدیر ص ۲۴۷/۵) — "اپنے بال بچوں کو علم وادب سکھاؤ"

والدین کے اخلاقی اثرات

ماں باپ کو بچے کے عادات وخصائل اور مکارمِ اخلاق میں بڑا دخل ہے، اگر یہ اچھے ہوں گے ان کے اخلاق وشمائل بہتر ہوں گے، اور یہ دین و دینی احکام پر شیفتہ ہوں گے، تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بچہ جو اُن کے نطفہ سے تیار ہوا ہے اور انہی کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے، ان خوبیوں میں سے بقدرِ ظرف حصہ حاصل نہ کر سکے، کم و بیش کی بات نہیں متاثر ہونے کی بات ہے،

پھر اُن کی اچھی تعلیم و تربیت کو بھی دخل ہے جس طرح کسان اپنی محنت و مشقت سے اپنی کھیتی سرسبز و شاداب بناتا ہے اور حسبِ منشاء اس سے متمتع ہوتا ہے ماں باپ بھی جد وجہد کر کے اپنے بچوں کو پروان چڑھا سکتے ہیں اور دین و دنیا کے لائق بنا سکتے ہیں،

دین اور آخرت سے غفلت

یہ عجیب بات ہے کہ دنیا کی فکر تو ہر ایک کو ہوتی ہے لیکن دین جو اصل اور بنیاد ہے، اس سے اکثر مسلمان غافل ہیں، یہ تو مسلمان چاہتا ہے کہ اس کا لڑکا قارون و فرعون بن جائے یعنی دولت و اقتدار کا مالک بن جائے، مگر اس کے دل میں یہ خواہش نہیں ہوتی کہ اسی کے ساتھ ہماری اولاد مسلمان بنجائے اور ہر شعبۂ زندگی میں اپنی مسلمانیت اُجاگر رکھے، انھیں کتاب و سنت سے شغف ہو، اطاعتِ خداوندی کا ذوق ہو اور فرائض کی ادائیگی کا جذبہ اُن کے دلوں میں کروٹیں لے رہا ہو، پھر ان میں اونچے درجے کا اخلاق ہو، یہ صداقت کے مجسّمے ہوں اور ان کے معاملات پاکیزہ ہوں، جھوٹ و فریب اور لغویات سے انھیں نفرت ہو، آخرت کا عقیدہ ان کے دل میں اس طرح جاگزین ہو کہ بند کمرے میں جب وہ کسی سے رشوت قبول کرنے کا ارادہ کریں تو خدا کا خوف اُن کو جھنجھوڑ دے، رات کی تاریکی میں جب نفس دھوکا دینا چاہے تو یہ محسوس کریں کہ پروردگارِ عالم انھیں دیکھ رہا ہے، اور جب کبھی اور جہاں کہیں باطل کی طاقت انھیں دین سے منحرف کرنے کی کوشش کرے تو ان کا یقین انھیں بیدار کر دے،

کتاب و سنّت کی تعلیم

علی زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے درست لکھا ہے:۔

يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ إِذَا عَقَلَ وَمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرَائِضِ	"اپنے بچّہ کو کتاب اللہ کی تعلیم دلائے، اور ان فرائض و سنن کی بھی جنکی ضرورت

وَالسُّنَنِ وَآدَابِ الدِّیْنِ،
(شرح شرعۃ الاسلام ص۴۵۹)

ہو اور ساتھ ہی آدابِ دین سے آراستہ کرے"

دین سے بیخبری کا عالم

مسلمان جس کی بنیادی کتاب قرآن مجید ہے اور جس پر اس کا ایمان ہے، حالانکہ ہے کہ اسے اس کی طرف سے بھی اس زمانہ میں توجہ نہیں رہی، جہاں بچہ بولنے لگا اسے پاٹ شالہ اور پرائمری اسکول میں بٹھا دیتے ہیں، جہاں وہ غیر اللہ کے نام رٹتا ہے، دیوی دیوتاؤں کے لغو قصے اور کہانیاں پڑھتا ہے، وہ پرائمری اسکول سے لیکر یونیورسٹی کی آخری ڈگری تک حاصل کرلیتا ہے، مگر کہیں اسے بتایا نہیں جاتا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں، کن چیزوں پر عمل کرنے سے انسان مسلمان بنتا ہے، اسلام کے بنیادی عقائد کیا ہیں، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے ساری کائنات کو روشنی عطا کی کون تھے؟ آپؐ نے کیا کارنامے انجام دیئے؟ آپؐ نے جس دین کی طرف بلایا وہ آخری دین کس قدر حاوی اور تمام ادیان کا مصلح ہے، وغیرہ وغیرہ

یہ مسلمان بچے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی نہیں جانتے کہ اسلام جس نظامِ حیات کی تعلیم دیتا ہے وہ اپنی جامعیت وکاملیت کے اعتبار سے کیسا ہے؟ اس کا اقتصادی اور معاشی نظام کس قدر بہتر ہے؟ اور ساری کائناتِ انسانی میں مساوات کی کس طرح اسپرٹ پیدا کرتا ہے؟ جس میں مکر وفریب اور لوٹ کھسوٹ کی کہیں سے کوئی گنجائش نہیں ہوتی،

موجودہ نظامِ حکمرانی کے مقابلہ میں وہ اسلامی نظامِ حکومت کی ہمہ گیری اور اس کے محاسن کا کبھی مطالعہ نہیں کرتا ہے اور نہ کبھی اس کا دھیان ہی اس

طرف جاتا ہے، یہ اور اس طرح کی بیسیوں خامیوں کا وہ مُرقع ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ظاہر تو اس کا مسلمان ہوتا ہے مگر باطن میں دین راسخ نہیں ہوتا،

مسلمان کی بسم اللہ دینی تعلیم سے

یہ ساری خرابیاں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ بچپن کا زمانہ جو اچھی باتوں کے قبول کرنے کا بہترین زمانہ ہوتا ہے والدین اس میں اُن کو مذہبی تعلیم اور دینی ماحول سے محروم رکھتے ہیں، حالانکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اُن کی بسم اللہ مذہبی تعلیم سے ہو، آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوّت سے نوازا گیا تو سب سے پہلے کیا حکم دیا گیا؟ ارشاد ہوا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝ (سورۃ العلق)	"آپؐ اس رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا سارے انسانوں کو خون بستہ سے، آپؐ پڑھیے اور آپؐ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی انسان کو، ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا"

گویا اس دین قیّم کی ابتداء ہی پڑھنے سے ہوتی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اوّلاً آپؐ نے گھبرا کر فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) حضرت جبرئیل امین نے تین بار زور زور سے دبایا اور چھوڑا، پھر آپؐ پڑھنے لگے،

کتاب وسنّت کے اس واقعہ میں جہاں اور رموز ونکات ہیں وہاں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ بچّہ کا مُربّی پہلے اسے ایسی تعلیم دلائے جس کا تعلق خدا اور اس کے احکام سے ہو، اگر شروع میں بچّہ اس سے گھبرائے تو محبّت وشفقت سے اسے اس پر

آمادہ کیا جائے تاکہ وہ پھر جی لگا کر دین حاصل کرے اور جب تک بچہ دین سے بقدرِ ضرورت واقف نہ ہو جائے دوسرا قدم ہرگز نہ اٹھایا جائے،

جہاں اس آیت سے جبری تعلیم کا حکم معلوم ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہبی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ابتداء کا حکم خود یہ اس کی دلیل ہے، پھر ان آیتوں میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ بھی مذہبی تعلیم ہی سے متعلق ہے،

کتابُ اللہ کی تعلیم اور اُس کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف پیرائے میں ذہن نشین فرمایا ہے کہ کتابُ اللہ کی تعلیم دی جائے، ارشاد ہوا:۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ، رواہ البخاری،	"تم میں بہتر وہ ہی جو قرآن پاک سیکھے اور سکھائے"،

(مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن، ص ۱۸۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا بیان ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، (مشکوٰۃ ص ۱۸۴)	"قرآن میں مہارت رکھنے والا نکوکار معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا"،

ایک دفعہ ترغیب کے انداز میں ارشاد ہوا کہ ۲ دو شخص قابلِ رشک ہیں، ایک ۱ وہ جسے قرآن کی دولت حاصل ہو، اور وہ دن رات کے اکثر حصوں میں (جب اُسے اطمینان کا موقع ملے) پڑھتا رہے، اور دو ۲ سرا وہ جسے دنیا کی

دولت حصہ میں آئی اور اسے بے دریغ نیک مقاصد میں خرچ کرے،

قرآن پڑھنے والے مسلمان کی مثال

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا طَیِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَایَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَۃِ وَلَا رِیْحَ لَھَا وَطَعْمُھَا حُلْوٌ، (مشکوٰۃ ص ۱۸۴)

جو مسلمان قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال نارنگی جیسی ہے، کہ اُس کی بُو بھی خوشگوار اور پاکیزہ ہے اور مزہ بھی، اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے، کہ وہ خوشبو سے محروم ہے گو مزہ اس کا شیریں ہے"،

یہاں قرآن کے فضائل بیان کرنا مقصد نہیں، بلکہ اشارہ کرنا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے اور سیکھنے سکھانیکی مختلف پیرایے میں کس طرح ترغیب و تاکید فرمائی ہے، اور عام مسلمانوں کا حال یہ ہی کہ اسی مرکزی کتاب سے وہ غافل ہیں، نہ خود پڑھتے ہیں اور نہ اپنی اولاد کو پڑھانے کی سعی کرتے ہیں،

اس قدر علم دین حاصل کرنا جس سے عقائد و فرائض کے متعلق معلومات حاصل ہوں ہر مسلمان پر فرض ہے، اور اسی طرح دین سے متعلق دوسرے ان احکام کا جاننا بھی ضروری ہو جن کی آئے دن زندگی میں ضرورت ہوتی رہتی ہے،

عِلم کی فضیلت عبادت پر

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عابدؔ عالم کا تذکرہ ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَىٰ اَدْنَاكُمْ (مشکوٰۃ باب العلم)	عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی جیسی فضیلت مجھے تم میں سے ادنیٰ پر حاصل ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اس عالم کے لئے جو دین حاصل کرتا ہے اور پھر اس کی اشاعت کرتا ہے، اللہ جل مجدہٗ، فرشتے، اور تمام آسمان اور زمین والے دعاءِ خیر کرتے ہیں، حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں پانی کے اندر بھی دعائیں مصروف ہوتی ہیں،

ایک دوسرے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عابد سے بڑھ کر مؤثر ثابت ہوتا ہے،

جس علمِ شرعی کے اس قدر فضائل زبانِ نبوی سے ادا ہوئے ہوں اس سے اپنی اولاد کو محروم رکھنا ان پر سب سے بڑا ظلم ہے، اور صرف ظلم ہی نہیں بلکہ دونوں جہان کی ایک بڑی عظیم نعمت سے محروم رکھنا بھی ہے،

دنیاوی عُلوم سے پہلے دینی عُلوم

آپ اپنی اولاد کو دنیاوی علوم ضرور پڑھائیے مگر اس وقت جبکہ وہ بقدرِ ضرورت دین اور احکامِ دین سے واقف ہو جائے تاکہ آندھی کا جھونکا اُسے جہاں چاہے اُڑا کر پھینک نہ ڈالے۔ اور جب کبھی غیر مذہب کی طرف سے اُن پر خاموش حملہ ہو تو وہ پسپا نہ ہونے پائے، اگر آپ نے اتنا بھی نہ کیا تو یاد رکھئے کہ آپ نے اپنی اولاد ضائع کر دی، کہیں ایسا نہ ہو کہ راہِ راست کو چھوڑ کر آپ کی اولاد اس راستہ

پر پڑ جائے جو بُت پرستی اور الحاد و دہریت کی راہ ہے،

آزاد ہندوستان کے مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ مذہبی تعلیم کی طرف توجہ دینا ضروری ہے، اس لئے کہ یہاں حکومت کی طرف سے دینی اور اسلامی تعلیم کا قطعاً کوئی اہتمام نہیں ہے، اور جو نصاب ہے وہ انسان کو صداقت سے بہت دور کر دینے والا ہے، اگر آئندہ نسل کو مسلمان باقی رکھنا ہے تو پھر اپنی اولاد کے لئے بطور خود دینی تعلیم کا انتظام ضرور کیجئے،

نبیِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا چودہ سو سال سے فضا میں گونج رہی ہے اور ساری دنیا کو خدا پرستی کی دعوت دے رہی ہے، بڑا حادثہ ہوگا اگر خود اس پیغمبرِ اسلام کے نام لیواؤں میں دین اور تبلیغِ دین کی طرف سے موت طاری ہو جائے،

حلال و پاک غذا

والدین پر ایک حق یہ بھی ہے کہ اپنی اولاد کو حلال غذا کما کر کھلائے، حرام کمائی سے خود بھی پرہیز کرے اور بچوں کو بھی پرہیز کرائے، تاکہ اس کی نشو ونما پاکیزہ ہو، اور اس میں اولوالعزمی کے جذبات پرورش پائیں،

وَمِنْ حَقِّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدَيْنِ اَنْ لَا يَرْزُقَهُ اِلَّا حَلَالًا طَيِّبًا،

"اولاد کا حق والدین پر یہ بھی ہے کہ وہ انھیں صرف رزقِ حلال کھلائیں"

(شرح شرعۃ الاسلام، ص ۴۵۹)

قرآن پاک اور احادیث میں بکثرت رزقِ حلال و پاک کی تاکید کی گئی ہے، اور کوئی شبہ نہیں کہ اس کے بڑے اثرات ہوتے ہیں، کاش مسلمان ان چیزوں کی اہمیت محسوس کریں، اور اپنی اولاد کی پرورش میں ان امور کا لحاظ رکھیں۔

اولاد اور اسوۂ انبیاء کرامؑ

انسان کی دلی تمنّا یہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے کہ انسان کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، پہلے درجہ میں تو اس کی دلی تمنّا ہوتی ہے کہ وہ اولاد کی نعمت سے بہرہ ور کیا جائے، تاکہ اُن سے وہ اپنی دلی آرزو کی تسکین اور فطری تقاضہ کی آسودگی کا سامان فراہم کر سکے، اور اس حال میں دنیا سے اُٹھے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے جانشین اور جگر گوشوں کے دور بارغ و بہار کو دیکھ چکا ہو،

دوسرے درجہ میں ہر شخص اپنے ظرف اور ذوق کے مطابق بچوّں کی تربیت کا متمنّی ہوتا ہے، اور ہر پہلو سے علم وعمل کے اعتبار سے بھی اور اخلاق و معاملات کے راستہ سے بھی، قدرتی طور پر ہر باپ اپنی اولاد کو دنیا میں بھی خوش و خرّم اور باعزت دیکھنا چاہتا ہے اور آخرت میں بھی اپنے عقیدہ کے مطابق اس کی کامیابی کے لئے دعاء گو ہوتا ہے،

اولاد کیلئے آخرت کی فکر مسلمان کا دینی ذوق اگر مُردہ نہیں ہوا ہی تو فطری طور پر اس کی بھی دلی خواہش یہی ہونی چاہئے کہ اس کی اولاد پہلے مضبوط عقائد د ایمان کی عَلَم بردار ہو اور اسلامی ذہنیت

کی حامل، پھر دنیاوی زندگی میں بہر نوع قابلِ فخر بنے اور لائقِ تحسین و ستائش، اس لئے کہ اس کے سامنے کتاب وسنت ہو اور انبیاءِ کرام کی زندگی،

قرآن پاک کا جب ہم گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو صاف طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ربّ العالمین ہم مسلمانوں سے اسی انبیائی ذوق کا مطالبہ کرتے ہیں جن کے تذکرہ سے قرآن مجید لبریز ہے، کون نہیں جانتا ہو کہ کتاب اللہ میں انبیاءِ کرام کے قِصص و واقعات کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم ان سے اپنے لئے سبق حاصل کریں اور اُسے اپنی زندگی میں اُسوہ بنائیں،

اسوۂ انبیاء اور اولاد کی دینی ترقی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی نہج سے قرآن میں نہ آگیا ہو، اولاد کے سلسلہ میں آپ پر جو کیفیت طاری ہوئی، پھر اپنی اولاد کے لئے آپؑ نے جو دعائیں کیں وہ بڑی تفصیل سے قرآن پاک میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے جب ابتلاء اور آزمائش کے بعد یہ بشارت سُنائی،

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًاط	میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا“

(سورۂ بقرہ، ع ۱۵)

تو ابراہیم علیہ السلام نے بے ساختہ درخواست کی،

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ، (سورۂ بقرہ، ع ۱۵)	”آپ نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کو نبوت سے نوازیئے“

یعنی الٰہ العالمین میرے ساتھ میری اولاد کو بھی اس نعمت سے نوازنا

اور انھیں فراموش نہ کرنا، چنانچہ ربّ العالمین نے مشروط طور پر آپ کی یہ دعاء قبول کرلی، اور اعلان کر دیا:

قَالَ لَا یَنَالُ عَھۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ۝ (سورۂ بقرہ، ع ۱۵)

ارشاد ہوا میرا یہ عہدِ نبوّت خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملے گا"

اولاد کے اطاعت گزار بنانے کی دعاء

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپکے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام جس وقت مل کر خانۂ کعبہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے تو اس قبولیت کی ساعت میں جہاں آپ نے اپنے لئے دعاء کی، اپنی اولاد کو بھی فراموش نہیں فرمایا اور الحاح وزاری کے ساتھ درخواست پیش کی:۔

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ (سورۂ بقرہ، رکوع ۱۵)

"ربّ العالمین! ہمیں اپنا اور زیادہ فرمانبردار بنالے اور میری اولاد میں سے ایک جماعت کو مطیع بنا"

دیکھ رہے ہیں باپ کا جذبہ اپنی اولاد کے لئے، اُن کو کسی منزل میں فراموش نہیں کرتے، یہاں بھی دُعاء کر رہے ہیں کہ انھیں اپنا ایسا مطیع و منقاد اور اطاعت گزار و فرمانبردار بنا کہ یہ تیری رضا پر اپنے آپ کو نثار کرتے رہیں، اور تیرے نام پر اپنی ساری کائنات نچھاور کرنے سے بھی دریغ نہ کریں، بلکہ ان کا اندرونی جذبہ یہ ہو کہ سب کچھ لُٹا کر حسرت سے کہیں ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اولاد کو تاکید

غور کریں ادھر تو پروردگارِ عالم سے یہ دعاء اور مناجات ہے، اور اولاد کے اصلاحِ حال اور مراتب و درجات کی التجائیں ہیں، ادھر اولاد کو پورے درد دل اور محبّت و پیار سے تاکید فرماتے ہیں

یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؁ (سورۂ بقرہ، رکوع ۱۶)	"میرے جگر گوشو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو منتخب فرما دیا سو تم سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر جان نہ دینا"

"میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام و اطاعتِ حق کو تمھارے لئے منتخب فرمایا ہے، سو تم مرتے وقت تک اس کو مت چھوڑنا، اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر ہرگز جان نہ دینا" (بیان القرآن)

مسلمانوں کیلئے اُسوۂ حسنہ

یہ ایک ایسے باپ کا دلی جذبہ ہے اپنی اولاد کی خیر خواہی کے لئے جو اپنے وقت کا سب سے بڑا برگزیدہ انسان اور خدا کا سب سے زیادہ پیارا ہے اور ساتھ ہی جہان کے لئے نبی کی حیثیت رکھتا ہے، کیا اس واقعہ میں اُن مسلمانوں کے لئے اولاد کی مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں کوئی درس نہیں ہے، جن کا پیارا لقب "مسلمان" اسی خدا کے لاڈلے رسول ؑ کا عطا کردہ ہے، هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ،

اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان باپوں کو سوچنا چاہئے جو اپنی اولاد کو مذہبی تعلیم سے محروم رکھتے ہیں کہ کل وہ خداوندِ قدوس کو کیا جواب دیں گے؟ کیا یہ دینی جرم نہیں ہے کہ نہ اپنی اولاد کیلئے دینی تعلیم کا بطورِ خود انتظام کرتے ہیں اور نہ خدا کے آگے گڑگڑا کر ان کے لئے دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی توفیق عطا کریں،

ماحول کے اثرات اور دین پر ثابت قدمی کی دعاء

اس بتکدۂ ہند (اور دنیا کے) مسلمان کان کھول کر سُن لیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کی مذہبی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں کس قدر جد و جہد فرما رہے ہیں، ماحول کا کس دل پر من حیث الانسان ہونے کے اثر نہیں پڑتا اور کون مؤمن اس ماحول میں گھٹن محسوس نہیں کرتا ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تو برگزیدہ نبی ہیں، اور اپنے گرد و پیش ظلمت و ضلالت اور بُت گری و بُت پرستی دیکھ کر گھبرا چکے ہیں، اس لئے اگر آپ مختلف پہلو سے اپنی اولاد کے لئے دعاء کرتے ہیں تو حیرت نہیں کرنی چاہیئے، دعاء کے لئے بڑی گنجائش ہے، التجا کرتے ہیں

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ (سورۂ ابراهیم، ع ۶)	"ابراہیمؑ نے درخواست کی رب العالمین اس شہر کو امن والا بنا دیجئے، اور خود مجھے اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائے رکھئے، اے پروردگار ان بتوں نے بہتیروں کو گمراہ کر دیا ہے"!

جہاں امن و امان کی دُعاء کرتے ہیں وہاں اس کی بھی دُعاء کرتے ہیں کہ ہمارے بچے کفر و شرک کے اس ایمان کش ماحول سے متاثر نہ ہوں،

اولاد کے لئے دنیا کے امن اور رزقِ حلال کی فکر

اس آیت سے معلوم ہوا کہ والدین کو ماحول سے ہرگز غافل نہ رہنا چاہیئے، اور اگر کفر و شرک کا ماحول ہو تو جس طرح بن پڑے اس سے اپنی

بچّوں کو محفوظ کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیئے، خواہ دُعاء سے ہو یا دواء سے انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر، محبت و پیار سے ہو یا سختی اور جدوجہد سے،

پابندِ نماز ہونے کی دُعاء

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں اُن کی دنیاوی زندگی کے لئے امن وامان، رزقِ حلال اور دوسری چیز کے لئے دُعاء کی ہے وہاں یہ بھی درخواست کی ہے؛

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ، (ابراھیم، ع ۶)

"اے میرے رب! مجھ کو بھی نماز کا اہتمام کرنے والا رکھیئے اور میری اولاد کو بھی، پروردگارِ عالم! میری دعاء قبول فرمالے"

دُنیاوی امن و امان کی دُعاء

کیا اس کے بعد بھی .... سنجیدہ مسلمانوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی کہ ...... موجودہ ماحول میں بال بچوں کی دینی تربیت اور مذہبی تعلیم ازبس ضروری ہے، اور اسلامی عقائد ومعاملات سے اُن کو آشنا بنانا والدین کا اوّلین فرض ہے، ایک طرف دعاء اور جدوجہد کے ذریعہ اُن کو اس بُت پرستی اور خدا ناترسی ماحول سے بچانا ہے، اور دوسری طرف اُن کو مذہبی رنگ میں رنگنا ہے، اور ساتھ ہی حلال رزق اور پاکیزہ زندگی کا سامان بھی کرنا ہے، تاکہ کسی پہلو سے آئندہ ان کی اولاد احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہو، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعاء کی تھی :-

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

"پس آپ کچھ لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل کر دیجئے، اور اُن کے کھانے کے لئے

مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ | پھل عطا فرمائیے تاکہ یہ لوگ شکر کریں"۔

(ابراھیم، ع ۶)

ماحصل یہ تھا کہ رب العالمین! آپ کچھ لوگوں کے قلوب اِن کی طرف مائل کر دیجئے، کہ یہاں آکر رہیں تاکہ آبادی پُر رونق ہو جائے، اور چونکہ یہاں زراعت وغیرہ نہیں ہے اس لئے اُن کو اپنی قدرت سے پھل کھانے کو دیجئے، تاکہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کریں (بیان القرآن)

اُمِّ مریمؑ کی اولاد کے حق میں دُعا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہؓ نے اُن کی پیدائش پر بارگاہِ الٰہی میں اُن کی اور ان کی اولاد کے لئے التجا کی تھی کہ انھیں شیطانی فتنے اور وسوسہ سے امن عطا کیا جائے،

وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (آلِ عمران، ع ۴) | "میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اُس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں"۔

یہ بھی اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ غایت محبت اور خیر خواہی کا نتیجہ تھا کہ جوں ہی بچی وجود کی دولت سے نوازی گئی ماں کا ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھ گیا، کہ خداوندِ قدوس! اس بچی اور اس کی ہونے والی اولاد کو شیطان کے تصرف سے محفوظ رکھنا، چنانچہ یہ اُن کی دعا مقبول ہوئی،

صحیحین میں مذکور ہے کہ شیطان ہر بچے کو ولادت کے وقت چھیڑتا ہے، اور اس کے چھیڑنے سے بچہ چیختا ہے بجز حضرت مریمؑ کے اور آپ کے فرزند

دلبند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کی چھیڑ چھاڑ سے اپنی حفاظت میں رکھا، اور اس طرح اُن کی والدہ کی دعاء اُن کے حق میں رحمت بن کر محافظ بن گئی،

درسِ خیرخواہی

اس قرآنی آیت میں بھی اس ت کی طرف اشارہ ہو کہ اولاد کی خیرخواہی ماں باپ کا منصبی فرض ہے کہ اُن کو دنیا سے پہلے اپنی اولاد کے لئے دین کی فکر کرنی چاہیئے، جو اصل زندگی ہے اور جس پر زندگی کا دار و مدار ہے،

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچّوں کو شیطانی حملوں سے بچانا اور اللہ تعالےٰ کی مرضیات پر چلانا ان لوگوں کا فرض ہے جو قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کتابِ مقدس کو اپنا راہنما جانتے ہیں، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ انسان کے دشمنوں کی ایک جماعت ظاہر ہوتی ہے اور ایک جماعت نگاہوں سے اوجھل، اور دونوں ہی اپنے اپنے طور پر حملہ آور ہوتی ہیں، والدین کا فرض ہو کہ ان دونوں حملوں سے حفاظت کا اہتمام کریں،

حضرت زکریاؑ کی دعاء

حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں تفصیل سے منقول ہے کہ آپ اخیر عمر کو پہونچ گئے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی، آپ کی اہلیہ بھی بانجھ تھیں، گویا ظاہری اسباب نے کوئی امید باقی نہیں رکھی تھی، لیکن اولاد کی ضرورت نے چین نہیں لینے دیا، اور دُعاء کی:-

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ	"اس موقعہ پر حضرت زکریاؑ نے اپنے رب سے دعاء کی، اے میرے رب! خاص

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ، (سورۂ آل عمران، ۴)

اپنے پاس سے مجھے کوئی اچھی اولاد دیجئے بیشک آپ دعاء کے بہت سننے والے ہیں"

اولاد سے مقصود اور مقصد کا اظہار اس طرح ہے،

فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (سورۂ مریم، رکوع ۱)

"سو آپ خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث بنا دیجئے کہ وہ میرا وارث بنے، اور یعقوبؑ کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے پروردگار پسندیدہ بنائیے"

یعنی ایسا لڑکا عطا کیا جائے جو علوم اور تبلیغِ دین میں میرا وارث قرار پائے، اور ساتھ ہی وہ میرے جدِّ امجد حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے علوم متوارثہ میں ان کا وارث اور صحیح جانشین بن سکے اور اپنے پاکیزہ اعمال و اخلاق کی وجہ سے پسندیدہ اور مقبولِ بارگاہ ہو، یعنی عالم بھی ہو اور عامل بھی،

رب العزت نے حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعاء قبول فرمائی اور ان کے گھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پیدا کیا، اور ان تمام صفات اور خوبیوں کا جامع بنایا جن کی دعاء کی تھی،

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:-

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا (سورۂ مریم، رکوع ۱)

"اور ہم نے انکو لڑکپن ہی میں سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقتِ قلب اور پاکیزگی عطا فرمائی تھی اور وہ اپنے والدین کے خدمتگذار تھے، سرکشی اور نافرمانی کرنے والے نہ تھے"

اُسوۂ پیغمبریؐ اولاد کی تربیت میں

قرآن کا یہ واقعہ بھی ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہم اپنی اولاد کے لئے نیک تمنائیں رکھیں، اور جب اللہ تعالیٰ اس دولت سے نوازیں تو ان کی تعلیم و تربیت کا فریضہ پیغمبری اُسوہ کے مطابق انجام دیں، ان کی دنیا کے فکر کے ساتھ دین کی فکر سے بھی غافل نہ ہوں، بلکہ اوّلین مقصد اُن کی پیدائش کا اطاعتِ خداوندی اور اشاعتِ دین قرار دیں، اگر ایک طرف وہ زمین پر عزت و عظمت کے مینار ثابت ہوں تو دوسری طرف آسمانِ خدمتِ دینِ مبین پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں،

جو لوگ ان جذبات سے خالی ہوتے ہیں وہ یقین کرلیں کہ انھوں نے اس روح کو نہیں سمجھا، جو اولاد کی پیدائش اور ان کی نشو و نما میں مضمر ہے، اور اس سلسلہ میں اُن سے جو قرآن پاک کا مطالبہ ہے،

بچّوں کی آخرت اور والدین

یہ مسلّم ہے کہ فطری طور پر باپ کو اپنی اولاد سے بے انتہا محبت ہوتی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ وہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار ہوتے ہیں، لیکن انبیائے کرام کا اُسوہ بتاتا ہے کہ اسی انداز سے والدین کے دل میں بچّوں کی آخرت سنوارنے کا بے پناہ جذبہ بھی ہونا چاہئے،

قرآن پاک میں حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے لختِ جگر کا واقعہ جس انداز میں مذکور ہے اس میں بھی ہمارے لئے عبرت و بصیرت کے بہت سارے سامان یکجا فراہم ہیں، آپ نے ساڑھے نوسو (۹۵۰) برس اپنی قوم میں تبلیغ کے

فرائض انجام دیے، مگر بجز چند گنے چنے افراد کے ساری قوم اپنے آبائی کفر وسرکشی پر جمی رہی، عاجز آکر آپ نے دعا کی،

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح، ع ۲)	"اے میرے رب! روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بھی بسنے والا نہ چھوڑ"۔

اور پھر اس بیخ و بن سے ختم کر دینے کی جو درخواست پیش کی تھی اس کی وجہ بیان فرمائی :۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح، ع ۲)	"بلاشبہ اگر آپنے ان کو چھوڑ دیا تو یہ آپکے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور بدکار و نافرمان اولاد کے سوا اور کچھ اضافہ نہ کریں گے"۔

دعائے نوحؑ اور طوفان

گویا قوم اپنی سرکشی اور گمراہی کی اُس منزل پر پہونچ چکی تھی کہ کفر و شرک اُن کی رگ رگ میں رَس بَس چکا تھا، اور ان سے کسی توقع کی کوئی کرن بظاہر باقی نہ تھی، چنانچہ طوفانِ نوحؑ کا فیصلہ سنایا گیا، کشتی تیار ہوئی اور توالد و تناسل کی حفاظت کے لئے مؤمنین کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے جانور بھی لاد دیئے گئے جن کی زندگی پانی کے بجائے خشکی سے متعلق ہے،

پسرِ نوحؑ کو باپ کی نصیحت

حضرت نوحؑ کا لختِ جگر اب تک کافروں کے گروہ سے متعلق تھا، اس آخری وقت میں جب آپ کی آنکھیں وقت سے پہلے کافروں کی بربادی کا منظر دیکھ رہی تھیں، بیٹے کو آخری فہمائش کی، اور اندازِ دعوت میں فطری محبت و شفقت کے وہ سارے جذبات

گھول دیتے جو ایک باپ کے دل میں اپنے جگر گوشہ کے لئے ہوتے ہیں،

وَنَادٰى نُوْحُ ﰃابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ٥ (سورۂ ہود، رکوع ۴)	"اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ علٰحدہ مقام پر تھا کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو"

بیٹے کی ضد مگر بیٹے کا دل اب تک ان ہی سرکشیوں سے لبریز تھا، جو ایک کافر کا شیوہ ہوتا ہے، اور اسی ناتجربہ کاری اور فریبِ نفس سے آلودہ جو ایک ناخدا ترس فرد کا حصہ ہے، باپ کی اس محبت بھری دعوت کا جواب دیا،

سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ (ھود، ۴)	"میں بھی کسی پہاڑ کی پناہ لوں گا جو مجھ کو پانی سے بچا لے گا"

باپ کا دردوسوز مگر پدری محبّت نے حضرت نوح علیہ السلام کو چین نہیں لینے دیا، پیار بھرے انداز میں فرمایا، اور پورے درد و گداز سے سمجھایا:۔

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ (سورۂ ھود، رکوع ۴)	"نوحؑ نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر وہ جس پر وہی رحم کرے"

بیٹے کا کفر و شرک اور یہ انجام باپ سے نہ دیکھا گیا، چنانچہ جب وہ پانی کی موجوں میں گھر چکا تھا اور قریب تھا کہ آخری سانس لے، آپ نے پھر ایک مرتبہ اللہ کی جناب میں درخواست کی، چونکہ بیٹے کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے

اس لئے توفیقِ ایزدی کے طالب ہوئے،

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ ۝ (سورۂ ہود، ۱۴)

"نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا اے رب! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے، اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔"

دُعاء و درخواست

یعنی گو یہ سر دست ایمان والا اور مستحقِ نجات نہیں ہے لیکن آپ احکم الحاکمین اور بڑی قدرت والے ہیں، اگر آپ چاہیں تو اُن کو مؤمن بنا سکتے ہیں، لہٰذا اس کو مؤمن بنا دیں، تاکہ یہ بھی اس وعدۂ حقہ کا محل بن جائے (بیان القرآن، ص ۵۰ ج ۵)

لیکن ربّ العالمین کا فیصلہ اٹل تھا اور پسرِ نوحؑ کے لئے ازل ہی میں طے ہو چکا تھا، کہ وہ کفر پر جان دے گا، اس لئے حضرتِ نوح علیہ السلام سے ارشاد ہوا،

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ، (سورۂ ہود، ع ۴)

"اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے نوحؑ! یہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے، یہ تباہ کار ہے، سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں۔"

یعنی اے نوحؑ! یہ شخص ہمارے علمِ ازلی میں تمہارے اُن گھر والوں میں نہیں ہے جو ایمان لا کر نجات پائیں گے، (یعنی اُن کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، بلکہ یہ خاتمہ تک تباہ کار یعنی کافر رہنے والا ہے، سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں (بیان القرآن، ص ۵۰ ج ۵)

اسوۂ نوحؑ

اس واقعہ کو پڑھیں اور سوچیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کس طرح زندگی کے آخری سانس تک بیٹے کی ہدایت کے لئے کوشاں رہے، اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست کی، یہ الگ بات ہی کہ اسکی قسمت میں ایمان نہ تھا، اور بالآخر اس نے کفر پر جان دی، مگر اپنی طرف سے نہ اُس کو سمجھانے میں کمی کی اور نہ ربّ العالمین سے دُعاء کرنے میں،

اس قرآنی اور انبیائی واقعہ میں ایک مسلمان باپ کے لئے ایک عظیم عبرت ہی کہ اولاد کے سلسلہ میں جو فرائض عائد ہوتے ہیں اس واقعہ سے سبق حاصل کرے اور اپنی جد وجہد اور امکان بھر ہرگز بچوں کی مذہبی تعلیم میں کوتاہی کو دخل نہ دے، اور اُن کی آخرت کی طرف سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو،

بڑے نادان ہیں وہ باپ جو اپنے فرائض سے کوتاہی کرتے ہیں اور دنیا کے لئے سب کچھ کرتے ہیں لیکن اولاد کی مذہبی تعلیم اور خدا پرستی سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، خواہ وہ جنت میں جائے یا جہنّم میں،

صالحین کی دُعاء اولاد کے حق میں

اللہ تعالیٰ نے سورۂ احقاف میں جہاں اپنے نیک اور اطاعت گزار بندوں کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ بھی بتایا ہی کہ یہ لوگ اپنے خالق و مالک کے حقوق کی ادائگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد سے بھی غافل نہیں ہوتے، بلکہ والدین اور اولاد کے لئے خصوصی دعاء کرتے ہیں، ارشادِ ربّانی ہے :-

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ	کہتے ہیں اے میرے رب! مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری اُن نعمتوں کا شکر ادا کروں

وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥ (سورۂ احقاف، ۲)	جو تو نے مجھ پر، میرے والدین پر کیا، اور یہ کہ ایسے نیک کام کروں جسے تو پسند کرے، اور میری اولاد کو نیک بنا، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور فرمانبرداروں میں ہوں"

گویا بتانا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور فرمانبردار بندے ہوتے ہیں وہ اپنی اولاد کی دینی اور مذہبی خیر خواہی کو بھی فراموش نہیں کرتے، بلکہ ان کے لئے دعاء گو رہتے ہیں اور ایسے مخلصین کی دُعاء قبول بھی کی جاتی ہے،

علامہ شوکانیؒ نے وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

اَیْ اِجْعَلْ ذُرِّیَّتِیْ صَالِحِیْنَ رَاسِخِیْنَ فِی الصَّلَاحِ مُتَمَکِّنِیْنَ مِنْهُ (فتح القدیر للشوکانی ص ۱۷/۵۷)	"یعنی میری اولاد کو ایسی نکوکار بنا کہ نیکی ان میں راسخ ہو چکی ہو اور وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہیں"۔

گویہ آیت اُتری تھی حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے مگر حکم اور اندازِ بیان عام ہے، اور عام نیک لوگوں کا شیوہ بتایا گیا ہے کہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات والدین اور اولاد پھر حقوق اللہ و حقوق العباد میں کسی حق سے بھی چشم پوشی نہیں کرتے ہیں، بلکہ ہر ایک کے حق کی ادائگی میں کوشاں ہوتے ہیں، اور اس کے لئے دربارِ ایزدی میں مناجات بھی کرتے ہیں اور جد و جہد بھی،

مذہبی تعلیم کی اہمیّت اس آیت میں بھی مسلمانوں کو ضمناً سبق دیا گیا ہے کہ جہاں وہ دوسرے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی نہیں کرتے اولاد کے حقوق سے بھی انھیں غافل نہ ہونا چاہئے، اور اُن کا سب سے

بڑا حق یہ ہے کہ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلاح و فلاحِ اُخروی کی دلی دعاء کی جائے اور اپنی کدو کاوش کی حد تک تربیت میں ہرگز تغافل کیشی کو راہ نہ دی جائے اور ساتھ ہی اس کا یقین رکھنا چاہیئے کہ ان کی مذہبی تعلیم و تربیت، عقائد و اعمال کی پاکیزگی اور اخلاق و معاملات کی صفائی بنیادی چیزیں ہیں اور اس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے،

مذہبی تعلیم و تربیت جس کی طرف سے غفلت عام ہے افسوس ہی مسلمانوں نے اس کی اہمیت پر کبھی غور نہیں کیا اور شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ ساری دنیا میں مسلمان رُسوا اور ذلیل ہو رہا ہے، اور عزت و عظمت کا جو خستہ و ناکارہ تاج اُن کے سروں پر تھا وہ بھی چھین لیا گیا،

ایک مسلمان باپ کا فریضہ

ایک مسلمان باپ کا فریضہ ہے کہ اس مسئلہ پر وہ ٹھنڈے دل سے غور کرے اور سوچے کہ جس دین پر ہمارا ایمان ہے وہ اوّل دن سے تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس کی تعلیم دیتا ہے حضرت ابراہیمؑ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کی دعاء کی تھی...... تو ساتھ ہی آپؐ کے لئے ان اوصاف سے متصف ہونے کی بھی دعاء کی تھی کہ اُمت کو قرآن پاک پڑھ کر سُنائیں، کتاب و سنت کی تعلیم دیں، حکمت و دانائی سے اُمت کو روشناس کرائیں اور ساتھ ہی اُن کے قلوب کا تزکیہ کریں، دعاء کے الفاظ یہ ہیں :-

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

"اے میرے رب! اور ان لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر مقرر فرما، جو اُن لوگوں کو

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(سورۂ بقرہ: ۱۵)

آپ کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور اُن کو آسمانی کتاب اور اس کے احکام کی تعلیم دیا کریں اور اُن کے باطن کو پاک کریں بلاشبہ آپ غالب اور کامل الانتظام ہیں۔

خاتم النبیین کے خصوصی اوصاف

اور آپ کی یہ دُعا، اسی انداز میں قبول بھی ہوئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو اُن تمام اوصاف کے جامع تھے جن کی دعا میں التجا کی گئی تھی، خود اللہ جلّ مجدہ کا ارشاد ہے:۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ،

(الجمعۃ، ۱)

وُہی ذات ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور پاک کرتے ہیں اور کتاب اللہ اور اس کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں اس سے پہلے یہ سب کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

تزکیۂ قلب و تصفیۂ باطن اور کتاب و سنت کی تعلیم اس دین کے قوام اور خمیر میں داخل ہے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل دن سے اپنے اس فرضِ منصبی کو انجام دیا، چنانچہ دینی تعلیم و تربیت کے فضائل بکثرت کتبِ حدیث میں موجود ہیں،

اسوۂ نبی اور اُمت

پھر جو باپ اس دین سے اپنا تعلق جوڑتا ہے اس کے لئے کب زیبا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت میں

ان بنیادی چیزوں کو نظر انداز کردے، جو بعثتِ نبویؐ کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو کتاب وسنّت کی روشنی میں وہ مجرم ہے، اور اتنا بڑا مجرم کہ اس جرمِ عظیم کی معافی اس سے مشکل معلوم ہوتی ہے،

اب تک اختصار کے ساتھ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اتنی بات نکھر کر سامنے آگئی کہ مسلمان بچّوں کی تعلیم وتربیت میں "دین" اور "دینی تعلیم" بُنیادی حیثیت رکھتی ہے، اور انبیائے کرام اور خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اسے اس طرح مؤکد کردیا ہے کہ امت کا یہ فرض منصبی ہوگیا ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس طرف سے غفلت نہ برتے، خواہ حالات بدتر ہی کیوں نہ ہوجائیں،

دین سے غفلت

ہمارے اس نازک ترین دور میں یہ وبا، عام ہے کہ بچّوں کے لئے دنیاوی برتری کے تو خواہشمند ہوتے ہیں، لیکن ان کی دینی فلاح وبہبود کے لئے ہمارے دل میں کوئی تڑپ پیدا نہیں ہوتی، یہ ہمارے عقائد واعمال کا اضمحلال ہے اور دین سے بے رغبتی کی کھلی ہوئی علامت،

کاش! مسلمانوں کی یہ تغافل کیشی اور دین کی طرف سے اُن کی یہ بڑھتی ہوئی بے توجہی ختم ہوتی اور اُن میں پھر ایک مرتبہ صحابہ کرام کا سا جوشِ عمل اور ولولہ حیات کروٹ لیتا، اور اُن پر جو دینی موت طاری ہوتی جارہی ہے ان میں اس کا احساس زندہ ہوجاتا، تاکہ اُن کی دینی شمعِ حیات الحاد ودہریت کے طوفان میں بھی اسی طرح روشن رہتی، جس کا مطالبہ کیا گیا ہے اور انقلاباتِ زمانہ کا کوئی جھونکا اُسے بُجھا نہ سکتا،

اولاد کے حق میں دعا اور بددعا، کی اہمیت

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے

کہ یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ ہمارے گھروں میں دعاء اور بد دعاء کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی ہے، حالانکہ اوپر قرآن پاک کی آیات جو مختلف انبیاء کرام سے متعلق پیش کی گئیں اُن میں صراحت ہے کہ یہ تمام کے تمام اپنی اولاد کے لئے نیک دعائیں کیا کرتے تھے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ والدین اپنی اولاد کے لئے اچھی دعائیں کرتے، مگر ہمارے مُلک میں کچھ اُلٹا سا رواج ہے کہ جاہل ماں باپ اپنے جگر کے ان ٹکڑوں کے لئے بد دُعاء کرتے ہیں، اور وہ بھی صرف اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے، بالخصوص جاہل مائیں تو بات بات پر بد دعاء کرتی ہیں، اور ان ننھے منّے بچوں کو جن کو ابھی نہ کوئی دنیاوی شعور ہوتا ہے اور نہ خود اُن کی باتوں کو پورے طور پر سمجھنے کا سلیقہ، اور بد دُعائیں بھی کیسی کیسی کہ خدا کی پناہ، اگر وہ فوراً اسی وقت قبولِ بارگاہِ الٰہی ہو جائیں اور پڑ جائیں تو یہ جاہل مائیں بھی لرزہ براندام ہو جائیں،

حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ دیر سویر ان بچّوں کو ماں باپ کی بد دُعائیں برباد کر ڈالتی ہیں، مگر اس کا احساس نہ والدین کو ہوتا ہے اور نہ بچّوں کو،

اولاد کیلئے بد دعاء کی مُمانعت

حدیث میں اسی وجہ سے اولاد کے لئے بد دعاء کرنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے، اور خود اپنے لئے بھی، اس لئے کہ خدانخواستہ اگر وہ وقت دعاء کی اجابت کا ہوا تو پھر پوری زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی،

حدیث میں جریج کا واقعہ منقول ہے کہ وہ ایک زبردست عابد تھے، الگ تھلگ اپنی ایک عبادت گاہ بنا رکھی تھی، جس میں دن رات خدا کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، ایک دن اُن کی ماں ایسے وقت پہونچی جب

یہ بیچارے نوافل میں مشغول تھے، ماں نے نام لے کر آواز دی، یہ آواز اُن کے کان سے ٹکرائی بھی، اور انھوں نے جان بھی لیا کہ یہ میری والدۂ محترمہ کی آواز ہے، مگر عبادت کی مشغولی کی وجہ سے خاموش رہ گئے، اور جی نہ چاہا کہ عبادت مولیٰ درمیان سے چھوڑ دی جائے، اُن کی ماں نے دستور کے مطابق تین مرتبہ پکارا، جب جواب نہ ملا تو ان کی ماں کو غصہ آگیا، اور ان کی زبان سے یہ کلمات نکل گئے،

اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلٰى وُجُوْهِ الْمُوْمِسَاتِ، | "اے اللہ! جب تک یہ زناکار عورتوں کا مُنہ نہ دیکھ لے اُسے موت نہ دے"،

ماں کی بددعا کا اثر ایک عابد بیٹے پر

یہ کہا اور واپس ہو گئیں، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ بددعا اُن پر پڑ کر رہی، بنی اسرائیل میں جریج کی عبادت و ریاضت بے انتہا مشہور تھی، اور یہ خود بہت مقبول آخر ہوا یہ کہ اس زمانہ کی مشہور حسینہ ان کی آزمائش کے پیچھے پڑ گئی، مگر اللہ تعالےٰ نے ان کو اس کے شر سے ہر طرح محفوظ رکھا،

آخر کار اس حسینہ نے ایک چرواہے سے اپنا مُنہ کالا کیا، جو اسی گرجا کے زیر سایہ رہا کرتا تھا، اتفاق کی بات کہ اس فتنہ پرداز حسینہ کو حمل ٹھہر گیا، اور جب بچہ پیدا ہوا تو اس بے گناہ عابد درویش کے سر الزام ڈالا،

لوگوں کو معلوم ہوا تو پھر کیا کہنا، انھوں نے اس افواہ پر یقین کر لیا اور بغیر تحقیق سارے کے سارے اس غریب کے گرجا میں گھس آتے، جس قدر مار پیٹ سکتے تھے سب کیا اور آخر میں گرجا مسمار کر دیا،

اس درویش باخدا نے گھبرا کر لوگوں سے پوچھا، آخر ماجرا کیا ہے؟ کہ تم

سب پاگل بنے ہوتے ہو، ان سے بتایا گیا کہ فلاں زانیہ عورت کے بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ کہتی ہے کہ تمھارا ہے، انھوں نے پوچھا وہ بچّہ جو پیدا ہوا کہاں ہے اسے لے آؤ، وہ لینے گئے، یہ نماز کی نیت باندھ کر خدا کے آگے کھڑے ہوگئے، نماز پوری کر چکے تو دیکھا نوزائیدہ بچّہ لایا جا چکا ہے، جو ابھی چند دنوں کا تھا، جریج درویش نے بچہ کو مخاطب کر کے پوچھا اپنے باپ کا نام بتادے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اُسے فوراً گویائی عطا ہوئی، اور اس نے کہا، فلاں نامی چرواہا، اُس نوزائیدہ بچّے کی یہ آواز سُن کر سارا مجمع سکتہ میں آگیا، اور جریج کی اس کرامت سے بیحد متاثر ہوا، سبھوں نے معافی چاہی، اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور اجازت چاہی کہ اس گرجا کو ہم سب مل کر سونے کا بنادیں درویش نے کہا نہیں، جیسا تھا ویسا ہی، (ریاض الصالحین، ص۱۴۴ عن الصحیحین)

"الادب المفرد" میں یہ بھی ہے کہ زانیہ کا نام سُنکر جریج مسکرا اٹھے، اور بعد میں لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ محترمہ ماں صاحبہ کی بد دعاء کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں،

غور کیجیے کہ غصّہ کی حالت میں ماں کی زبان سے جو بات نکل گئی تھی وہ ایسے مرتاض وعبادت گذار بیٹے پر بھی پڑ کر رہی، اور انھوں نے محسوس کیا کہ ماں کی بد دعاء نے اس انجام تک پہنچایا ہے،

والدین کی بد دعاء مقبول ہے

پھر حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے :-

ثَلاَثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَهُنَّ لَا شَكَّ فِيهِنَّ، دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدَيْنِ عَلَى وَلَدِهِ	"تین دُعائیں مقبول ہیں جنکی مقبولیت میں ذرا بھی شبہ نہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، اور ماں باپ کی دُعا، اپنی اولاد کے لئے"۔

(الادب المفرد، ص ۹)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے باوجود حیرت ہے ان ماں باپ پر جو معمولی معمولی بات پر اپنی اولاد کو کوستے اور بد دُعا دیتے ہیں اور ان کا مستقبل خود اپنے ہاتھوں تاریک بنایا کرتے ہیں اور بعد میں اُن کی اولاد دنیاوی یا دینی طور پر جب تباہ حال نظر آتی ہے تو آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہیں،

علامہ زمخشری پر ماں کی بد دعا

علامہ زمخشری جن کی مشہور تفسیر کشاف اور دوسری تصنیفات ہیں اُن کے متعلق کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ان کا پاؤں کٹا ہوا تھا اور جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ یہ کیسے ہوا؟ تو انھوں نے جواب میں کہا کہ ماں کی بد دعا کا نتیجہ ہے، واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ میں نے اپنے بچپن میں ایک گوریا (چھوٹی سی چڑیا) پکڑی اور اُس کے پاؤں میں دھاگا باندھ دیا، اس کی وجہ سے اس ننھی منی چڑیا کا نازک پاؤں کٹ گیا، یہ دیکھ کر میری والدہ پر بے حد اثر ہوا، اور اُن کی زبان سے نکل گیا کہ جس طرح تو نے اس غریب چڑیا کا پاؤں کاٹا ہے تیرا پاؤں بھی کاٹا جائے،

اس طرح کے واقعہ سے جاہل اور نا سمجھ ماں باپ کو سبق لینا چاہئے

اور اپنی بد دعاؤں سے معصوم اولاد کو محفوظ رکھنا چاہئے، غصہ میں کوئی ایسی بات ہرگز زبان پر نہیں لانی چاہئے کہ وہ بیٹے اور اولاد کے حق میں تباہ کن یا رسوا کن ثابت ہو،

بچّوں کو لعن طعن کا غلط رواج

یہ عجیب بات ہے کہ جن والدین کو کتاب و سنت میں اولاد کی تربیت کے لئے محبت اور پیار سے کام لینے کا حکم ہے وہی اس کی جرأت کرتے ہیں کہ اولاد کے لئے ذرا ذرا سی بات پر لعنت ملامت اور بد دُعاؤں کی بوچھار کرتے ہیں، اور کلماتِ خیر کی جگہ اولاد کے لئے گالی گلوج اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، اور اپنی اولاد کو کتا، سؤر اور گدھا کہہ کر پکارتے ہیں،

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو معاف فرمائیں، اور اس جرمِ ناشائستہ سے بچائیں، اور ہماری اولاد کو نیک و صالح بنائیں، اور دنیا اور دین دونوں اعتبار سے باعزت و عظمت رکھیں، اور ان کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام فرمادیں،

تربیت سے غفلت کا نتیجہ

یہ ساری خرابیاں ہم لوگوں میں اسی وجہ سے ہیں کہ بچپن میں خود ہماری تربیت اچھی نہیں ہوئی، اگر عورتوں میں یہ عیوب پیدا ہیں تو اس کی وجہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم نے اپنی بچیوں کی تربیت کے وقت ان قواعد اور اصول کو پیشِ نظر نہیں رکھا تھا جن کی کتاب و سنت میں تعلیم دی گئی ہے، ماؤں کی جہالت اور پھوہڑپن کا یہ نتیجہ ہے کہ بچے اپنی زندگی کی بھاگ دوڑ میں ناکام اور نامراد نظر آتے ہیں،

کاش! ہم بچوں کے ساتھ اپنی لاڈلی بچیوں کی تربیت میں بھی وہی سرگرمی

دکھلائیں جس کی طرف ہماری شریعت نے رہبری کی ہے تو یقین کیجئے کہ پھر آج جو کچھ یہ بُرا ماحول ہمارے سامنے ہے باقی نہ رہے، اور ماحول میں وہی پاکیزگی پیدا ہوجائے جس کی ہم دلی طور پر مذہب کی روشنی میں کبھی کبھی تمنا کرتے ہیں،

اولاد سے اُنس و محبت

انبیاءِ کرام کی اپنی اولاد سے محبت اور اُن کی اپنے بچّوں کے لئے دُعائیں جو پہلے قرآن پاک کی آیتوں سے ثابت ہوئیں ان سے ہمیں یہ بھی سبق حاصل کرنا چاہئے کہ ہم اپنے بچّوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کریں، اُن کی جدائی ہم پر شاق گزرے، اور ان کے آرام و آسائش کی کسی فکر سے ہم بے فکر نہ ہوں،

قرآن شریف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبّت والفت کا جو نقشہ یوسف علیہ السلام کے سلسلہ میں کھینچا ہے اس سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، یوں تو طبعًا انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا نورِ نظر اس کی آنکھوں سے غائب نہ ہو، بلکہ ہر وقت اُس کے پہلو میں رہے تاکہ وہ اُسے دیکھ دیکھ کر نہال ہو، اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کرے، مگر اسی رُوئے زمین پر ہر زمانے میں کچھ ایسے سنگدل و بے مروّت انسان بھی پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے جگر گوشوں کی شمعِ زندگی بجھانے میں تامّل نہیں کیا ہے، اور اگر اولاد میں کہیں بچّی پیدا ہوئی تو پھر اُن میں وہ پُرانی جاہلی عصبیّت اُبھر آئی جو کفر و شرک نے اُن کے دلوں میں راسخ کر ڈالی تھی، اور جس کے نتیجہ میں بچّیاں زندہ درگور کردی گئیں،

اسلام محبت میں بھی اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے جہاں وہ بچّوں کی تربیت میں سختی، مارپیٹ کی اجازت دیتا ہے، وہاں وہ اُن سخت دلوں کی مذمت بھی

کرتا ہے جو اپنے بچّوں کو پیار نہیں کرتے اور جو رحم و کرم اور انس و محبت کی دولت سے محروم ہوتے ہیں،

اُمِّ موسیٰ کی محبّت اولاد سے

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اُس دَور میں ہوئی جب فرعون مصر کی طرف سے بچّوں کے قتلِ عام کا صرف حکم ہی نہیں تھا بلکہ تلاش کرکے بچّے موت کے گھاٹ اتارے جارہے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ربّ العزّت کو کام لینا تھا، اس لئے ان کی نشو و نما کا عجیب و غریب طریقہ اختیار کیا گیا،

پروردگارِ عالم نے اُمِّ موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ بچّہ کو تابوت میں ڈال کر دریا میں بہادیں، ادھر فرعون اولاد کی نعمت سے محروم تھا، اس کی بیوی کے دل میں بچّے کی پرورش کا ذوق پیدا کردیا، اس طرح اُن کی پرورش اور زندگی کا سامان بہم پہنچایا گیا، اس کا جو نقشہ قرآن نے اپنے الفاظ میں کھینچا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں،

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي،

"اور احسان کیا ہم نے تجھ پر ایک بار، اور جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سُناتے ہیں کہ ڈال اُن کو صندوق میں، پھر اُن کو صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈال دو، پھر دریا اُن کو کنارے تک لے آئے گا اور اُن کو ایسا شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اُن کا بھی، اور میں نے تمہارے چہرے

کے اوپر اپنی طرف سے ایک خاص اثر محبت ڈال دیا تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ "۔

محبتِ اولاد کی قدر افزائی

پھر اُمِ موسیٰ کا اپنے لختِ جگر کے فراق میں عجیب و غریب حال ہوا، قرآن نے اپنے الفاظ میں بتایا ہے :-

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا، إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ٥ (القصص ۱)	"اور موسیٰ کی والدہ کا دل بیقرار ہو چکا تھا، اگر ہم اُن کا دل مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتیں، اور مضبوطی یہ کی کہ وہ یقین کئے رہیں "۔

ام موسیٰ علیہ السلام کا یہ حال طبعی طور پر ہونا ہی چاہئے تھا، کیونکہ اُن کو معلوم ہو چکا تھا کہ جس بچہ کی جان بخشی کے لئے یہ کارروائی عمل میں لائی گئی تھی، آخر وہ فرعون کے لوگوں نے دریا سے نکال کر فرعون کی خدمت میں پہنچایا ہے، جس کا سب سے مرغوب کا شیوہ معصوم بچوں کا قتل ہے، پتہ نہیں کیا کرے، بلکہ غالب گمان یہی ہوگا کہ وہ معصوم و بے گناہ مار ہی ڈالا جائے گا، ایک قاتل سے کوئی اس کے سوا دوسری توقع کر بھی کیا سکتا ہے،

اولاد کی کشمکشِ موت و حیات پر ماں کی مامتا کا حال

ماں کی مامتا اپنے جگر گوشہ کے لئے یونہی ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے، لیکن ایسے وقت میں مامتا میں طغیانی آجاتی ہے، اور ماں کی محبت کے سمندر میں تلاطم خیز موجیں اُٹھنے لگتی ہیں، اس کا جامِ محبت بھر کر چھلکنے لگتا ہے، اور صبر کا مضبوط سے مضبوط بند ٹوٹ جاتا ہے

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے محبّت و شفقت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ان سارے بندوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتا ہے، جو والدین کے قرارِ دل کو جمانے کے لئے باندھا جاتا ہے،

قرآنِ پاک نے اپنے اس چھوٹے سے جملے میں ماں کی مامتا کا جو حسین نقش کھینچا ہے وہ اپنی آپ مثال ہے، جگر گوشہ اور محبوب کی قربت دل کو سکون و طمانیت، مسرّت و بہجت اور بے پناہ محبّت سے لبریز رکھتا ہے، مگر جوں ہی اس طرح کے خوفناک موقع سے ماں کی مامتا آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے پھر نہ پوچھئے اس کا کیا حال ہوتا ہے، الفاظ میں اُسے ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کی محبّت کا قصر متزلزل ہو جاتا ہے، اور اس کے سکون کے محل میں شگاف پڑ جاتا ہے، اور اطمینانِ قلب کا حسین قلعہ زمین بوس ہو جاتا ہے،

یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ماں کی محبّت اپنی اولاد کے ساتھ جو ہوتی ہے وہ قابلِ مدح و ستایش سمجھی جاتی ہے، اور یہ انس و محبت مطلوب و مقصود ہے مذموم اور قابلِ نفرت نہیں ہے،

ایک پیغمبر کے دل میں اولاد کی محبّت

اس طرح کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ماں کو اپنے بچّہ کے ساتھ ایسی ہی بے پناہ محبّت ہونی چاہیئے، اور یہ تو ایک صنفِ نازک کی محبّت ہے، لیکن پیغمبر کی ماں کی محبّت وہ ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمائی،

ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوبؑ کی محبّت کا قرآن میں حال بیان کیا ہے، جب اُن کا لختِ جگر یوسفؑ اُن کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا

ایک موقع سے آپ کی زبان پر یہ کلمات تھے:۔

قَالَ یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (سورۂ یوسف)	کہنے لگے: ہائے یوسف "

بیٹے کا غم

اور غم کا یہ حال تھا:۔

وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ (یوسف)	"اور افسوس و غم سے اُن کی آنکھیں سفید پڑگئی تھیں اور گھٹا کرتے تھے ،،

بیٹوں نے یہ حال دیکھا تو باپ کو مخاطب کرکے کہنے لگے:۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ ۝ (یوسف)	"بیٹے کہنے لگے بخدا تم سدا یوسف کی یادگاری میں رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر دم بلب ہوجاؤ گے یا بالکل ہی مر جاؤ گے "۔

ایک پیغمبرِ وقت کی اپنے کھوئے ہوئے بیٹے کے ساتھ اس بے پناہ محبّت میں کیا یہ سبق نہیں ہے کہ باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ بے انتہا انس و محبّت ہونی چاہیئے،

اولاد کی محبّت سنّت کی روشنی میں

حدیث کے اندر مختلف پیرایہ میں اپنی اولاد کے ساتھ انس و محبت کی ترغیب دی گئی ہے، حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ ایک دیہاتی بدّو خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا:

اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ ؟ "کیا تم اپنے بچّوں کو پیار کرتے ہو"؟ اُس نے نفی میں جواب دیا، یعنی اُس نے یہ کہا کہ جذبۂ پیار مجھ میں نہیں ہے، اور عملاً اس سے میں محروم ہوں، آپؐ نے سُن کر جواب دیا:۔

أَوَ أَمْلِكُ لَكَ إِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ ص۴۲۱)

"میں تیرے لئے کیا کر سکتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ ہی تیرے دل سے محبت سلب کرلے"

بچوں کی محبت پر بشارت

اسی طرح حضرت صدیقہ عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت آئی، جس کے ساتھ اس کی دو۲ بچیاں بھی تھیں، وہ سوال کر رہی تھیں کہ میں اُسے کچھ دوں، اس وقت میرے گھر میں صرف ایک کھجور تھی، میں نے وہ اُٹھا کر اُسے دیدی، اس نے اس ایک کھجور کے دو۲ حصے کئے اور آدھی آدھی دونوں بچیوں کو دیدی، چنانچہ وہ میرے یہاں سے چلی گئی، مگر مجھے اس کی حالت پر بڑا ترس آیا، اور اس کی یہ ادا دل کو ہلا گئی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ سے میں نے یہ قصہ دُہرایا،

آپؐ نے فرمایا کہ جس کے بچیاں ہوں اور وہ محبت و پیار سے انکی پرورش کرے تو یہ بچیاں اس کے لئے دوزخ سے پردہ بن جائیں گی، یعنی اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو جہنم کی آگ سے محفوظ کر دے گا،

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ أَصَابِعَهُ - (رواہ مسلم ومشکوٰۃ، باب الشفقۃ ص۴۲۱)

"جو شخص تابلوغ دو۲ بچیوں کی پرورش کرے تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح قریب قریب رہوں گا، اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ملالیا"

ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ وَرَحِمَهُنَّ حَتّٰی یُغْنِیَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ،

(مسلم و مشکوٰۃ باب الشفقۃ ص۴۲۱)

"جو شخص تین بچیوں یا اسی طرح اتنی ہی بہنوں کی پرورش و پرداخت کرے اور ادب سکھائے اور ان سے پیار و محبت سے پیش آئے تا آنکہ وہ جوان ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت واجب کر دے گا"۔

اسی حدیث میں آگے ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ اگر کوئی دو کی پرورش اسی طرح کرے؟ آپؐ نے فرمایا اس کو بھی یہی اجر ملے گا، اس نے کہا اور اگر ایک کی کرے تو؟ آپؐ نے فرمایا تو بھی، یعنی اللہ تعالیٰ حُسنِ سلوک کے بدلے اسے بھی جنت عطا کرے گا،

بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دینے کی مُمانعت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ کَانَتْ لَهُ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْهَا وَلَمْ یُهِنْهَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَیْهَا یَعْنِی الذُّکُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ، رواہ ابوداؤد، (ایضاً)

"جس شخص کے بچی ہو اور وہ نہ اُسے زندہ درگور کرے، نہ اس کی توہین کرے، اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل کرے گا"۔

تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے، بلکہ چند احادیث پیش کر کے عرض کرنا ہے کہ اپنی اولاد سے محبّت اور حُسنِ سلوک مطلوب ہے، بالخصوص بچیوں کی پرورش میں سرگرمی دکھانا اور ان کو وہی درجہ دینا جو طبعی طور پر لڑکوں کو

لڑکوں کو دیتے ہیں، ایک مسلمان کا دینی فریضہ ہے اور اُن کی طرف سے غفلت اس کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے،

بچوں سے نفرت کی ممانعت

وہ جدید تعلیم یافتہ جو اس مہذب دنیا میں فقر و فاقہ کے خوف سے اپنے بچوں کو زندہ رکھنا پسند نہیں کرتے اور اس کے لئے مختلف جائز و ناجائز تدبیریں کرتے ہیں، اُن کو معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کا یہ جذبہ اسلامی اسپرٹ کے بالکل خلاف ہے، رزق کا معاملہ اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ ہے، قرآن میں ان بیہودہ خیالات و جذبات سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے،

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ،	"اپنی اولاد کو محتاجی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی رزق دیں گے اور اُن کو بھی"!

یہ جذبۂ جاہلی ہے جو بعثتِ نبویؐ سے پہلے کفر و شرک سے ملوث انسانوں میں جڑ پکڑ چکا تھا جس کی اسلام نے مختلف انداز میں مذمت کی ہے، افسوس ہے کہ خود مسلمان پھر اس دَورِ جاہلیت کی طرف مُڑ کر دیکھ رہا ہے، اور ان لوگوں سے متأثر ہو رہا ہے جن کا خدا اور اسلام پر ایمان نہیں ہے، مسلمانوں کو خدا کا یہ لاہوتی پیغام ہر وقت سامنے رکھنا چاہیئے،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا،	"زمین پر چلنے والی ہر چیز کی روزی اللہ تعالےٰ نے اپنے اوپر لے رکھی ہے"

یہ ضمنی بحث آگئی، عرض کیا جا رہا تھا کہ والدین کا اخلاقی اور دینی فریضہ ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ محبت و شفقت کے ساتھ پیش آئیں، اور اُن کی تربیت

میں اپنے ان جذبات سے کام لیں،

آنحضرتؐ کی محبّت اولاد سے

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد سے بیحد محبت فرماتے تھے، حضرت فاطمہ رضؓ پر جس وقت نگاہ پڑتی فرطِ محبت سے چہرۂ مبارک تمتما اُٹھتا، ایک دفعہ آپنے فرمایا:۔

فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَہَا اَغْضَبَنِیْ، متفق علیہ،

"فاطمہ رضؓ میرا ایک حصّۂ جسم ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا"

(مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت ص ۵۶۹)

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَہَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاہَا، متفق علیہ،

"وہ چیز جو انھیں بیقرار کرتی ہے مجھے بیقرار کرتی ہی جو ان کو اذیت پہنچاتی ہی مجھ کو اذیت پہنچاتی ہے"

(مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت ص ۵۶۹)

یہ کیا تھا؟ وہی انس ومحبت جو ایک کامل الصّفات باپ کو اپنے جگر گوشہ سے ہوتی ہے، جن لوگوں نے اس حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہی کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو جو بُرا بھلا کہے گا وہ کافر ہو جائے گا، صحیح نہیں ہے، دراصل یہ اس قلبی تعلق کا اظہار ہے جو والدین کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، لیکن ساتھ ہی ہدایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ جگر گوشۂ رسولؐ سے محبت ہونی چاہیئے،

حضرت فاطمہ رضؓ سے آنحضرتؐ کی محبّت

حضرت عائشہ رضؓ کا بیان ہی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو مشابہت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کم لوگوں میں دیکھی گئی، بلکہ میں نے تو ایسی

مشابہت دیکھی ہی نہیں، طور طریقہ میں، سیرت وخصلت میں، بات چیت میں، بیٹھنے اور اٹھنے میں، ایک ایک ادا میں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی تھیں، اور کیوں نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر ہی تھیں، مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ آپؐ سے حضرت فاطمہ رضؓ کو اور حضرت فاطمہ رضؓ سے آپکو بے انتہا محبت تھی،

حضرت فاطمہ رضؓ کو جب کبھی آپؐ اپنے پاس آتے دیکھ لیتے تو فرطِ محبت میں اٹھ کھڑے ہوتے اور بوسہ دیتے، اور پھر اپنے پہلو میں جہاں خود بیٹھے ہوتے بٹھاتے، اور یہی حال خود حضرت فاطمہ رضؓ کا بھی تھا کہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے ملنے انکے گھر پر تشریف لے جاتے تو جونہی حضرت فاطمہ رضؓ کی نگاہ اباجان پر پڑتی ادب سے اُٹھ کر آگے بڑھتیں اور آپؐ کو بوسہ دیتیں، اور پھر بڑی تعظیم وتکریم سے بٹھاتیں،

سفر سے واپسی پر آنحضرتؐ حضرت فاطمہ رضؓ کے گھر

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد کی حاضری کے بعد سب سے پہلے اپنی پیاری بچی "حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچتے،

عَنْ اَبِی ثَعْلَبَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ غَزْوَۃٍ اَوْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰی فِیْہِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ اَتٰی فَاطِمَۃَ ثُمَّ اَتٰی اَزْوَاجَہٗ (مرقاة، ص۵۹۱ ج۷)

حضرت ثعلبہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں اُترتے یہاں دو رکعت نفل پڑھتے پھر مسجد سے نکل کر فاطمہ رضؓ کے یہاں تشریف لے جاتے، پھر ازواج مطہرات کے یہاں "!

اس طرح کے واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے کس قدر محبت تھی اور کیسا والہانہ لگاؤ تھا،

اولاد کے غم کا والدین پر اثر

ایک دفعہ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے والے ہیں، اور اس سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے اُن کی شادی ہو چکی تھی، حضرت فاطمہؓ نے حاضرِ خدمت ہو کر صورتِ واقعہ کی اطلاع دی تو پدری محبت میں جوش آگیا، اور برسرِ منبر فرمانے لگے؛

اِنِّیْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَّلَا اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰکِنْ وَاللّٰہِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰہِ مَکَانًا وَاحِدًا اَبَدًا،

"بلاشبہ میں نہیں حلال کو حرام کرتا اور نہ حرام کو حلال لیکن خدا کی قسم اتنی بات یقینی ہے کہ رسول اللہؐ اور عدو اللہ کی بیٹی ایک گھر میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں"،

(مرقاۃ، ص ۵۹۳ جلد ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی محبت اولاد کے لئے مطلوب ہے اور جس سے اولاد کو آرام اور آسائش ہو والدین کا فریضہ ہے کہ جائز حدود میں رہ کر اس کی امداد کرے اور اس کے لئے سکونِ قلب کا سامان کرے،

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے حضرت جمیع بن عمرؓ نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کسے پیار کرتے تھے؟ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ آپؐ حضرت فاطمہؓ کو پیار کرتے تھے،

آنحضرتؐ کی محبّت اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیمؓ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بچّہ حضرت ابراہیمؓ سے بھی والہانہ تعلق تھا جن کا سولہ یا اٹھارہ مہینے کی عمر میں انتقال ہوگیا،

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن آپؐ کے ساتھ ابوسیف لوہار کے یہاں آئے جہاں آپؐ کے بچّے ابراہیمؓ مدتِ رضاعت گذار رہے تھے، جب صاحبزادہ لایا گیا تو اسے پیار سے لیا، پیشانی کو بوسہ دیا، ناک اور گال کو چوما، اور اس طرح اپنی بے پناہ محبت کا اظہار فرمایا،

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِبْرَاھِیْمَ فَقَبَّلَہٗ وَشَمَّہٗ	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو لیا پھر بوسہ دیا، چوما اور پیار کیا،"

متفق علیہ، (مشکوٰۃ باب البکاء علی المیّت ص ۱۵۰)

بچّہ کی موت کا اثر آنحضرتؐ پر

حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ آخری مرتبہ اس وقت آپؐ اپنے صاحبزادہ کو دیکھنے ان کی رضاعی ماں کے گھر پہنچے جب صاحبزادہ دم توڑ رہا تھا، اور آخری ہچکی لے رہا تھا، یہ منظر ایسا تھا کہ قلب متأثر ہوئے بغیر نہ رہا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی اُس وقت موجود تھے، انھوں نے آپکی یہ حالت دیکھ کر پوچھا، یارسول اللہؐ! آپ کا بھی یہ حال ہے کہ دل پر قابو نہیں رہا، آپؐ نے فرمایا یہ اثر رحمت ہے اور والدین کو اپنی اولاد سے جو

خونی رشتہ ہوتا ہے اس کا یہ قدرتی نتیجہ ہے، خدانخواستہ قلتِ صبر نہیں ہے، پھر ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا مَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ (متفق علیہ ایضاً)	"بلاشبہ آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غم زدہ اور ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، اور یقیناً میں اے ابراہیم تیری جدائی سے بے تاب ہوں "۔

اولاد سے تأثر

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :۔

فِيْهِ اِشَارَةٌ اَنَّ مَنْ لَمْ يَحْزَنْ فَمِنْ قَسَاوَةِ قَلْبِهٖ وَمَنْ لَمْ يَدْمَعْ فَمِنْ قِلَّةِ رَحْمَتِهٖ فَهٰذَا الْحَالُ اَكْمَلُ عِنْدَ اَرْبَابِ الْكَمَالِ فَاِنَّ الْعَدْلَ اَنْ يُعْطِيَ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ (مرقاۃ)	"اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اولاد کی موت پر غم زدہ نہیں ہوتا تو یہ اس کے دل کی سختی" کا نتیجہ ہوتا ہے اور اگر کسی کی آنکھیں اشکبار نہیں ہوتی ہیں تو یہ اس میں جذبۂ محبت کی کمی کا نتیجہ ہے، یہ فطری حالت اربابِ فضل وکمال کے نزدیک کامل تر ہے اس لئے کہ انصاف یہ ہے کہ ہر حقدار کا حق ادا کیا جائے"۔

مجھے تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ والدین کو اپنی اولاد سے محبت ضرور ہونی چاہئے، وہ انسان نہیں ہے جسے اپنی اولاد تک سے انس ومحبت نہ ہو، یہ ایک فطری جذبہ ہے جو شریعت کی نظر میں بھی محمود ہے، اور یہی وجہ ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے بے پناہ محبت تھی، اور آپؐ کی اس سیرت میں

پوری امت کے لئے درسِ محبت ہے،

اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کی نصیحت

بال بچوں سے محبت کی اہمیت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا کہ عنقریب میری وفات ہونے والی ہے تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کا بار تم کو اٹھانا ہے،

اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ، رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب مناقب اھل البیت)

"اُن میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و روشنی ہے، لہٰذا کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامو، یہ کہکر آپؐ نے کتاب اللہ پر اُبھارا اور اس کی رغبت دلائی، جب آپؐ یہ بیان کرچکے تو فرمایا اور دوسری چیز میرے گھر والے ہیں میں تم کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں بار بار یاد دہانی کراتا ہوں"

یعنی اہلِ بیت کو اذیت نہ دینا بلکہ ان کا احترام کرنا اور ان کے ساتھ مراعات کو ہرگز فراموش کرنا

شیعوں کے غلط عقائد

شیعوں نے اس سلسلہ میں جو غلو اختیار کر رکھا ہے اور غلط عقائد پھیلا رکھے ہیں اُن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، خدا تعالیٰ نے صاف اعلان کر رکھا ہے،

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (الحجرات)

"تم میں سب سے معزز اللہ کے نزدیک وہ ہی جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے"

بغیر عمل نسب کام نہیں آتا

اور خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی میں عمل نہیں ہے تو نسب کام نہیں آسکتا، آپ نے ایک مرتبہ اپنے اہلِ خاندان کو نام لے لے کر آگاہ کیا کہ تم سب اپنے آپ کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ، اخیر میں فرمایا:۔

یَا عَبْدَ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّھَا بِبَلَالِھَا، رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

"اے عبدالمطلب! اپنے آپ کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ، اے فاطمہؓ! تو اپنے کو جہنّم کی آگ سے بچا، کیونکہ میں اللہ سے تم کو بالکل نہیں بچا سکتا بجز اس کے کہ تم سے رشتہ داری ہے، جس کی وجہ سے (دنیا میں) صلۂ رحمی کروں گا۔"

دخولِ جنّت و دوزخ میں نسب کو دخل نہیں

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا ہے:۔

یَا فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا،

"اے فاطمہؓ بنت محمدؐ! میرے مال سے جو چاہے تو مجھ سے مانگ لے اور اللہ کے یہاں میں تجھ کو کوئی کام نہیں آسکتا۔"

(مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ کا فیصلہ نسل اور نسب کی بنیاد پر ہرگز نہیں ہوگا، اس کا مدار عمل اور صرف عمل پر ہے جس کی تصدیق

مندرجہ ذیل روایت سے اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ہوتی ہے، ایک لمبی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

"جس شخص کو اس کا عمل پیچھے ڈال دے اُسے اس کا نسب آگے نہیں لے جا سکتا"

اعمالِ صالحہ میں کوتاہی کی تلافی نسب سے نہیں ہو سکتی

مُلا علی قاریؒ اس حدیث کے معنی تحریر فرماتے ہیں:۔

أَيْ مَنْ أَخَّرَهُ وَجَعَلَهُ بَطِيئًا مِنْ بُلُوغِ دَرَجَةِ السَّعَادَةِ عَمَلُهُ السَّيِّئُ فِي الْآخِرَةِ أَوْ تَفْرِيطُهُ لِلْعَمَلِ الصَّالِحِ فِي الدُّنْيَا لَمْ يُقَدِّمْهُ نَسَبُهُ يَعْنِي لَمْ يَجْبُرْ نَقِيصَتَهُ لِكَوْنِهِ نَسِيبًا فِي قَوْمِهِ إِذْ لَا يَحْصُلُ التَّقَرُّبُ إِلَى اللهِ تَعَالَى بِالنَّسَبِ بَلْ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَالَ تَعَالَى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ، (مرقاۃ المفاتیح ص۲۲۳ ج ۱)

"بُرے اعمال یا اعمالِ صالحہ میں کوتاہی اگر کسی کو پیچھے ڈال دے اور سعادت و کامرانی کے پاس پھٹکنے نہ دے تو نسب و نسل اسے آگے نہیں بڑھا سکتے ہیں، یعنی اعمال کا نقص حسب و نسب دور نہیں کر سکتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے تقرّب (نزدیکی)، نیک اعمال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، نسل اور خاندان کی وجہ سے نہیں، ارشادِ ربّانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے بڑا معزّز وہ ہے جو انسانوں میں سب سے بڑا خدا ترس ہے"

مسلمانوں کا عمل

پھر تاریخ کا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ہر زمانے میں یہی ہوا کہ مسلمانوں نے ان حضرات کے سامنے تعظیم و محبت کا سر جھکایا جنھیں اللہ تعالیٰ نے علم و عمل سے نوازا تھا اور ان لوگوں کو کبھی خاطر میں بھی نہیں لائے جن کا دامن علم و عمل اور زہد و تقویٰ سے خالی تھا خواہ نسب اور خاندان کی حیثیت سے اُن کا مقام ثریّا سے اونچا کیوں نہ رہا ہو،

وَشَاهِدُ ذٰلِكَ أَنَّ أَكْثَرَ عُلَمَاءِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ لَا أَنْسَابَ لَهُمْ يُتَفَاخَرُ بِهَا بَلْ كَثِيرٌ مِّنْ عُلَمَاءِ السَّلَفِ مَوَالٍ وَمَعَ ذٰلِكَ هُمْ سَادَاتُ الْأُمَّةِ وَيَنَابِيعُ الرَّحْمَةِ وَذُوالْأَنْسَابِ الْعَلِيَّةِ الَّذِيْنَ لَيْسُوْا كَذٰلِكَ فِيْ مَوَاطِنِ جَهْلِهِمْ نَسْيًا مَّنْسِيًّا،
(مرقاۃ المفاتیح ص ۲۲۳ ج ۱)

"اُس کا مشاہدہ ان بہتیرے علماء سلف اور خلف کی زندگی سے ہوتا ہے جن کے پاس قابلِ تفاخر نسب و نسل کی سند نہیں تھی، بلکہ ان میں بہت سے غلامانِ اسلام تھے اور با ایں ہمہ انھیں امّت کی سربراہی اور سرچشمۂ رحمت ہونے کا فخر حاصل تھا، اور اونچے اونچے خاندان کے چشم و چراغ اس مقبولیت سے محروم تھے اور اپنی جہالت کی وجہ سے ایسے گمنام گویا تھے ہی نہیں"

بلندی و پستی عمل سے

پھر اپنے دعویٰ کو مدلل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الدِّيْنِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ،

"اللہ تعالیٰ اس مقدّس دین (اسلام) کے ذریعہ بعض قوموں کو سربلند

(مرقاۃ، ص ۲۲۳ ج ۱)

کرے گا اور بعض کو اس کی عداوت کے صلہ میں پست اور ذلیل و خوار بنائے گا"

یہاں پہنچکر تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

يَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ مُحَمَّدٍ يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ اِئْتُونِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَعْمَالِكُمْ لَا بِاَنْسَابِكُمْ فَاِنِّي لَا اُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا،

(مرقاۃ، ص ۲۲۳ ج ۱)

"اے محمدؐ کی پھوپھی صفیہؓ اور اے محمدؐ کی لختِ جگر فاطمہؓ! تم قیامت کے دن اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہو گی، نسب کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ میں اللہ کے یہاں تمھارے کام نہ آؤں گا (خود تمھارا عمل کام آئے گا)"

ابویزیدؒ کا بیان اپنے ایک مرید سے

مُلّا علی قاریؒ نے یہاں ابویزید قدس سرہٗ کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ اُن کا ایک مرید اُن کے پیچھے اس طرح چل رہا تھا کہ جہاں جہاں اُن کے قدم پڑتے وہیں وہیں وہ بھی اپنے قدم ڈالتا، آپ نے اس کی یہ حرکت جب دیکھی تو اس کی طرف مُڑ کر دیکھا اور جوش میں فرمانے لگے:۔

وَاللهِ وَاللهِ لَوْ سَلَخْتَ جِلْدَ اَبِي يَزِيْدَ وَلَبِسْتَهٗ لَمْ تَنَلْ مِثْقَالَ خَرْدَلٍ مِّنْ مَّقَامَاتِهٖ مَا لَمْ تَعْمَلْ عَمَلَهٗ۔

(مرقاۃ المفاتیح، ص ۲۲۳ ج ۱)

"خدا کی قسم! خدا کی قسم! اگر تم ابویزید کی کھال اُدھیڑ کر زیبِ تن کر لوگے تو بھی بغیر عملِ صالح کی پونجی کے اس کے مقامات میں سے ایک رائی کے دانہ کے برابر حاصل نہ کر سکوگے"

پھر حضرت ابو یزید قدس سرہ نے اس کے سامنے یہ اشعار پڑھے،

مَا بَالُ نَفْسِكَ أَنْ تَرْضَىٰ تَدَنُّسَهَا | وَثَوْبُ جِسْمِكَ مَغْسُولٌ مِّنَ الدَّنَسِ
تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا | إِنَّ السَّفِينَةَ لَا تَجْرِي عَلَى الْيَبَسِ

ترجمہ: "(۱) تمھارا کیا حال ہے کہ تم اپنے قلب کو گندہ رکھنا پسند کرتے ہو اور تمھارے بدن کا کپڑا میل کچیل سے پاک وصاف ہے۔"

(۲) "نجات کی توقع رکھتا ہے مگر اس کے راستے اختیار نہیں کرتا، یہ واضح رہے کہ کشتی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔"

آخرت کی طرف اولاد کو متوجہ کرنا

ان روایتوں سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی، کہ ساری محبت و عظمت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد کو راہِ حق پر گامزن رہنے کی برابر ترغیب فرمایا کرتے تھے، اور اپنے اس فریضہ کو آپ نے بڑی صاف گوئی سے پورا کیا، جس کا ماحصل یہ ہوا کہ اولاد اپنی اصل زندگی اور دائمی راحت کی طرف سے غفلت نہ برتے، اور کتاب وسنّت کی روشنی میں اس دائمی زندگی کے حاصل کرنے کے لئے وہ جو کچھ کرسکتی ہے اس سے گریز اختیار نہ کرے بلکہ اگر ماحول نے اُن میں سستی پیدا کر دی ہے تو والدین کی اس طرح کی باتوں سے چونکے، اور اپنی زندگی اس لائن پر ڈال دے جو شریعت نے بچھائی ہے، اور جس پر چل کر ہی آدمی منزلِ مقصود تک پہونچ سکتا ہے، اور لیلائے کامرانی سے ہم آغوش ہو سکتا ہے،

دین سے غافل ماں باپ اپنے بچوں کو عام طور پر جو اِدھر اُدھر کی دلچسپ جھوٹی کہانیاں سُناتے رہتے ہیں، اُن کے بجائے انھیں چاہئے کہ اپنے ان نونہالوں کو صحابۂ کرام رضؓ کے ایسے واقعات سُنائیں جن سے اُن کی سیرت اثر پذیر ہو، اُن کے اخلاق سنوریں، اور اُن کے عقائد میں پختگی پیدا ہو۔



تعلیم گاہیں اور سیرت سازی

یہ عجیب بات ہے کہ اس دور میں ہر چیز پر زور دیا جاتا ہے، مگر کوئی سیرت سازی کی طرف توجہ نہیں دیتا، اور نہ اس کی فکر کرتا ہے، حالانکہ بچے اس سے بنتے بگڑتے ہیں، ہماری تعلیم گاہوں کا بھی یہی حال ہے، کہ وہ علم کا ڈپلومہ تو دیدیتی ہیں مگر ان کی سیرت سازی نہیں کرتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ گریجویٹ اور پی، ایچ، ڈی کرنے کے بعد بھی ان میں بلند اخلاقی پیدا نہیں ہوتی، جس کی کھلی ہوئی مثال رشوت ستانی، جھوٹ، فریب اور دھوکہ دہی ہے جس کا مشاہدہ آئے دن ہمیں ہوتا رہتا ہے،

اساتذہ اور تعلیم گاہوں کی ذمہ داری

ماں باپ کے بعد بچوں کی سیرسازی کی ساری ذمہ داری اساتذہ اور تعلیم گاہوں کے سر ہے کہ گھر کے بعد پڑھنے لکھنے والے بچوں کی زندگی کا بڑا حصہ اُن کے ہی ساتھ گذرتا ہے، اور وہ انہی حضرات کے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں، اساتذہ کی خامی بچوں میں پیدا ہونی ضروری ہے، پارٹی بند اشاد کا شاگرد بھی جوڑ توڑ کا ہی جذبہ لے کر باہر آئے گا، پست اخلاق اساتذہ کے تلامذہ عموماً پست اخلاقی ہی کا سبق لے کر نکلیں گے، اور اگر اساتذہ میں بلند کرداری ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُن کی درس گاہ سے فیض یاب ہونے والا بلند کردار ثابت

نہ ہو اور اس کی ذات دوسروں کے لئے نمونہ نہ بن سکے،

اساتذۂ کرام کے ضروری اوصاف

وہ اساتذۂ کرام جو بچوں کی تعلیم کے فرائض انجام دیتے ہیں ان میں فضائل و محاسن اخلاق کا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ بچے اور بچیاں عموماً سب سے زیادہ اُن کے ہی اخلاق و اعمال سے متاثر ہوتے ہیں، اور ان کے ہی نقشِ قدم پر چلنے کی سعی کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام غزالیؒ نے ان کو مرشد و رہنما قرار دیا ہے،

اُستاذ میں شفقت باپ کی سی ہو

وہ حضرات جو درس و تدریس پر لگے ہوئے ہیں اور تعلیم گاہوں کے ذمہ دار ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ شفیق اور طلبہ پر بے انتہا مہربان ہوں، ان کو اپنے شاگردوں سے ایسی مخلصانہ محبت ہو جس طرح ایک شفیق باپ کو اپنے ہونہار بیٹے سے ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا:-

إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ)	"میں تمھارے لئے بمنزلہ باپ ہوں، میں تمھیں سکھاتا ہوں"

اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اس حدیث کو سامنے رکھیں، اور اپنے میں باپ کی سی شفقت و محبت پیدا کریں، جب تک اُن میں یہ جذبہ مخلصانہ طور پر پایا جائیگا وہ اپنے تلامذہ اور شاگردوں کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے، قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے:-

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ	"جو تمھاری منفعت کے بہت خواہشمند

رہتے ہیں اور ایمان والوں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں "	رءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (سُورَةُ توبہ، ۱۶)

اس سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ علماءِ دین جو علومِ دین کی تعلیم دیتے ہیں اور نائبِ رسول اور وارثِ انبیاء کے معزز القاب سے نوازے گئے ہیں ان کے دلوں میں بھی دین سیکھنے والوں کے لئے اسی طرح کے جذبات کا پایا جانا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے فرائض وحقوق کی ادائیگی میں کامیاب ہوسکیں،

اخلاص و ایثار

خدانخواستہ اگر اُن کے دلوں میں اخلاص و ایثار کے وہ قابلِ قدر جذبات نہیں پائے جاتے اور اُن کا خانۂ دل اس دولت سے خالی ہے تو پھر وہ اپنے فرائض کی ادائگی میں کامیاب نہیں ہوسکتے، اور طلبہ اور مسلمان بچے ان کی صحبت وتعلیم سے وہ حصہ نہیں پاسکتے ہیں جس کے لئے وہ اُن کے اِردگِرد جمع ہیں،

موجودہ دَور میں نوجوان علماء میں علم وعمل کا قحط، ذہنی نشو ونما سے محرومی اور اخلاص وللٰہیت کی کمی کی سب سے بڑی وجہ اساتذۂ کرام اور معلّموں کا یہی عدمِ اخلاص ہے،

نرم خوئی

پھر اساتذہ کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ نرم خوئی اور دلی سوز وگداز سے متصف ہوں تاکہ شاگرد زیادہ سے زیادہ ان کے اِردگرد فراہم ہوں اور زیادہ سے زیادہ عوام ان سے استفادہ کرسکیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کی جو معلّمِ اخلاق بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے، ارشادِ ربانی ہے :-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (سُوْرَۂ آلِ عمران، ع ۱۷)	"پس اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آپؐ انکے لئے نرم خو رہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی بلکہ آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو وہ (پیرو کار) آپکے پاس سے منتشر ہو جاتے"۔

اس آیت سے ہمیں سبق لینا چاہئے، اور اگر ان جذبات سے ہمارے اساتذہ عاری ہو چکے ہیں تو اُن کو یہ جوہر اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے تاکہ ہماری محنت ملک و ملّت کے حق میں سود مند ثابت ہو، اور ہماری تربیت مسلمان بچّوں میں اچھے اثرات پیدا کریں،

حرص و ہوس سے اجتناب

مسلمان بچّوں کے معلّمین آجکل گو مشاہرے لیتے اور پاتے ہیں، مگر پھر بھی ان کا ہونہار طلبہ کے ساتھ کوئی رابطہ پیدا نہیں ہوتا ہے، اور نہ حرص و ہوس سے اُن کے سینے خالی ہوتے ہیں، اس کا ناخوشگوار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے شاگردوں کا بڑا حصہ دلی طور پر اُن سے بدظن ہوتا ہے، زبان سے سامنے تعریف کے جملے اگرچہ بول لیتا ہے مگر ان کے دل نفرت کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں، اور پھر کچھ دنوں کے بعد ان سادہ دل شاگردوں میں بھی وہی جذبات پرورش پانے شروع ہو جاتے ہیں جن کے احساس سے پہلے اُن کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی تھی،

پڑھانے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ انہی پڑھنے والوں کی وجہ سے انھیں معلّمی کی عزّت نصیب ہوئی، جس کی قدر دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، پھر ان کے ساتھ اچھے جذبات کا نہ پایا جانا حیرت انگیز ہے، شاید اس کی وجہ

یہ ہے کہ وہ اپنے کو صرف ملازم اور نوکر سمجھتے ہیں، اور صرف لالچ میں یہ کام انجام دیتے ہیں، اگر بات یہی ہے تو پھر خود سوچئے کہ ان کی صحبت سے بچوّں کی سیرت کس طرح پختہ ہوسکے گی،

طلبہ میں ترغیب و تشویق

اساتذہ کا فریضہ یہ بھی ہے کہ اپنے تلامذہ کے ساتھ خیر خواہانہ برتاؤ رکھیں اور قدم قدم پر اُن کی علمی اور عملی رہنمائی کریں، قبل از وقت تعلّی و ترفّع سے منع کریں، ہر وہ فن جس میں وہ منہمک ہیں اس میں اُن کو باکمال بننے کی ترغیب دیں، نیک چلن اور خدا ترس ہونے پر اکسائیں، عمل سے بھی اور زبان سے بھی، علوم میں شغف کے مقاصد کا اُن کو راز بتائیں، اور اس نگرانی اور ترغیب میں طرز وہی اختیار کریں جس کی اسلام نے مبلّغین اور معلّمین کو تاکید کی ہے، اور جس کا عملی ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس میں موجود ہے،

کاروباری نظریہ کی ہلاکت خیزیاں

ہمارے یہاں اس کی بڑی کمی ہے اس لئے کہ استاد اور شاگرد دونوں نے پڑھنے پڑھانے کو ایک کاروباری معاملہ سمجھ رکھا ہے اور اُسکی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک کامیاب تجارت کی بنا رکھی ہے، اس سے پڑھنے پڑھانے کا کاروبار تو بیشک ترقی پذیر ہے، مگر انسان نہیں تیار ہوتے، اور نہ انسانیت کا نام اونچا ہوتا نظر آتا ہے، اس لئے کہ وزیر بن کر بھی چوری اور رشوت جیسے ذلیل افعال سے واسطہ باقی رہتا ہے، اور مبلّغ و معلّم کے عہدہ پر آنے کے بعد بھی حرص و آز سے دل خالی نہیں ہوتا،

غریبوں اور ضرورت مندوں کو نظر انداز کرنا تعلیم یافتہ افراد کا عام شیوہ بنتا جارہا ہے، اور اخلاق واعمال کی پاکیزگی کا دنیا میں کال پڑ رہا ہے، اِلا ماشاء اللہ،

حسنِ تدبیر وحسنِ سلوک

طالب علموں میں اگر کوئی بد خلقی، خامی اور کمزوری ہو اُسے محبت و پیار سے دور کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، بُرے کاموں سے اس طرح روکا جائے کہ اُن کاموں کی مذمت ضرور کی جائے، اور ان کے نقصانات بھی اُن کے سامنے تفصیل سے بیان کئے جائیں، تاکہ اُن کے دلوں میں اُن کی طرف سے نفرت جاگزین ہوجائے' مگر اُن کو ڈانٹا پھٹکارا نہ جائے، لوگوں کے سامنے کھُل کر اُن کی مذمت نہ کی جائے، اور کوئی ایسا طریقہ ہرگز اپنایا نہ جائے جو اُن کے دلوں میں بغاوت کے جذبات پیدا کردے، یا اس کی وجہ سے ان کاموں پر ان کا اصرار دوچند ہوجائے، مثل مشہور ہے کہ جس سے انسان کو سختی کے ساتھ روکا جاتا ہی اُس پر وہ اور حریص بن جاتا ہے،

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بدّو مسلمان آیا اور اس نے صحن مسجد میں پیشاب کرنا شروع کردیا، صحابہ کرام رضؓ نے ڈانٹ پلانا چاہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا، اور فرمایا پیشاب کرلینے دو، جب وہ فارغ ہوچکا تو اسے اپنے پاس بُلایا، اور بڑی محبت سے فرمایا:- بھائی یہ مسجد خدا کی عبادت، اُس کی یاد اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہے، یہاں ایسی باتیں نہیں کرتے جس سے یہ گندی ہوجائے یا اُس کی حرمت میں فرق آئے"

پاکیزہ عملی اور بلند کرداری

اور سچ جانئے کہ سب سے زیادہ لڑکے علمی زندگی کا اثر قبول کرتے ہیں، اس لئے چاہئے کہ اساتذہ کا عمل بہتر سے بہتر اور دین کے بالکل مطابق ہو، ایسے اساتذہ نہ ہوں کہ خود ان کا عمل اُن کے قول کی تردید کرتا ہو، ان کی زبان پر کچھ ہو اور عمل کچھ، کیونکہ اس کے نتائج حد درجہ تباہ کن ثابت ہوتے ہیں، طلبہ خواہ زبان سے اس سلسلہ میں کچھ نہ کہیں، مگر ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر جاتی ہے کہ یہی ان مقدسین اور رہنماؤں کی جماعت ہے جن کو قوم و ملک میں بلند کردار سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اندرونی طور پر یہ کھلے ہوئے منافق ہیں، پھر یا تو زندگی بھر کے لئے ان کی زیر تربیت رہنے والے طالب علم صرف خود ان سے ہی باغی نہیں ہو جاتے بلکہ اس راہ و رسم کے مخالف بن جاتے ہیں جن کی بظاہر یہ نمائندگی کرتے ہیں، یا پھر وہ بھی اسی رنگ میں پورے طور پر رنگ جاتے ہیں، اور منافقت کی بُرائی ان کے دلوں سے نکل جاتی ہے، قرآن پاک نے اسی وجہ سے اس منافقت اور قول و عمل کے اس تضاد کی سخت مذمت کی ہے!

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (بقرہ)	"کیا تم لوگوں کو نیکو کاری کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو فراموش کر جاتے ہو؟"

یہ تو یہودی علماء کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، سورۂ صف میں خود مؤمنوں کو خطاب باری تعالیٰ ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ	"اے ایمان والو! جو تم نہیں کرتے ہو اُسے زبان پر کیوں لاتے ہو؟ اللہ تعالیٰ

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف) | کو یہ بات بڑی ناگوار ہے کہ تم جو کہو وہ نہ کرو"

مرکزِ اصلاح

ہمیں کہنا یہ ہے کہ ہائی اسکول بلکہ نور پرائمری اور مکتب سے لے کر یونیورسٹی اور دارالعلوم تک جتنے بھی تعلیمی ادارے ہیں اُن کے اساتذہ اور کارکنوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ بچّوں کی تربیت کی ذمّہ داری گھر کے بعد انہی حضرات اور اُن کے ادارے کے ماحول پر ہے، اگر یہ ادارے اور ان کے کارکنان یہ ایمانداری سے محسوس کرتے ہیں کہ ملک و ملّت کی سب سے بڑی ذمّہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، اور ملک و ملّت کی نسلوں کی ترقی و بلند خیالی کا بوجھ ان پر ہے اور یقیناً ہے تو پھر اُن کو کاروباری ماحول سے ہٹ کر علمی اور اصلاحی ماحول پیدا کرنا چاہئے، اور حکومت اور لیڈرانِ قوم جس ملکی یا مذہبی اصلاح کے لئے چیختے اور گلے پھاڑ کر چلّاتے رہتے ہیں وہ یہیں سے حاصل ہو سکتی ہے، اور جب تک ایسا نہیں کرتے اور ان اداروں میں تعلیم کے ساتھ اخلاقی اور انسانی تربیت کا نظم نہیں کرتے ملک کی ترقی غیر ممکن ہے،

بچّوں کے والدین اور سرپرستوں کا فریضہ ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے حلقۂ اثر کی تعلیم گاہوں میں علمی اور اصلاحی ماحول پیدا کریں، جہاں جھوٹ، فریب اور دھوکہ کا دور دور تک پتہ نہ ہو، بلکہ اس کی جگہ سچائی، معاملات کی صفائی اور عقائد کی پختگی کا ماحول پر نمایاں اثر ہو۔

بلوغ اور شادی

ان مرحلوں سے گذرنے کے بعد ایک اہم ذمّہ داری والدین کی اور ہے، اور وہ یہ ہے کہ جونہی بچّے اور بچّیاں سنِ بلوغ کو پہنچیں اُن کی شادی کر دیں، تاکہ شباب کا جو طوفان خیز دَور آ رہا ہے اس کی تیز رَو انھیں بہا نہ لیجائے اور ان کے قدموں میں جنبش اور تزلزل پیدا نہ کر دے،

شباب اور اُس کا طوفان

کون نہیں جانتا کہ زندگی کی یہ ہنگامہ خیز منزل بڑی صبر آزما ہوتی ہے، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیمیافتہ دونوں ہی اس کے مسلسل جھٹکوں سے قوّتِ برداشت کھو دیا کرتے ہیں، اور انسان اس عمر میں ہوش وحواس پر بڑی مشکل سے قابو پاتا بھی ہے،

شادی کی ضرورت

اس لئے بجائے اس کے کہ انھیں امتحان میں ڈال دیا جائے اور سمندر کی لہروں سے کھیلنے کا موقع دیا جائے اچھا یہ ہے کہ ایسا انتظام کر دیا جائے کہ وہ اس دَور کی ہلاکت خیزیوں سے صحیح وسالم نکل جائیں، اور اس کی صورت اس کے سوا کوئی دوسری نہیں ہے کہ اُن کی شادی کر دی جائے، اور رفیقِ حیات اور شریکِ زندگی کا حسبِ منشاء انتظام کر دیا جائے، تاکہ وہ اپنی عفت و عِصمت کے فانوس کو ٹوٹنے سے صاف بچا لے جائیں، اور غلط حُسن وعشق کی زلفِ پرپیچ میں کسی منزل پر نہ اُلجھیں،

اسلام کا حکم

اسلام نے انسانی نفسیات کا سب سے زیادہ لحاظ و پاس کیا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ بروقت اس کے تقاضے پورا کرنے کی تاکید کرتا ہے، اور اس میں ایک لمحہ کی تاخیر برداشت نہیں کرتا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ وَاَدَبَهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى اَبِيْهِ،

(مشکوٰۃ باب الولی ص ۲۷۱)

جس کے کوئی بچہ ہو اُسے چاہئے کہ وہ اچھا سا نام رکھے پھر حُسنِ ادب کی تعلیم دے اور جب سنِ بلوغ کو پہونچ جائے تو اسکی شادی کر دے، اس لئے کہ بلوغ کے بعد اگر شادی نہیں کی اور وہ کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو اس گناہ کا وبال اس کے باپ پر آئے گا

والدین پر ذمہ داری

اس حدیث میں صراحت ہے کہ بلوغ کے بعد بچوں اور بچیوں کے نکاح میں تاخیر نہ کی جائے کیونکہ اگر شباب کے بعد تاخیر کی گئی اور خدانخواستہ کہیں ان ناتجربہ کاروں سے کوئی غلطی ہوگئی تو اس کی ساری ذمہ داری والدین بالخصوص باپ پر ہے،

بچی کی عمر کی صراحت

دوسری حدیث میں عمر کی نشان دہی بھی موجود ہے، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے :۔

قَالَ فِي التَّوْرَاةِ مَكْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتْ بِنْتُهُ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَمْ يُزَوِّجْهَا فَاِثْمُ

"توراۃ میں لکھا ہے کہ جس کی لڑکی کی عمر بارہ سال ہو جائے اور وہ اپنی بچی کی شادی نہ کرے تو اس کا گناہ اس کے

ذٰلِکَ عَلَیْہِ (مشکوٰۃ باب الولی ص۲۷۱) | باپ پر ہو گا،

اس قولِ رسولؐ میں اشارہ ہو کہ لڑکی جب بارہ۱۲ سال کی ہو جائے تو فوراً اس کی شادی کردی جائے تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ اگر اس سے کوئی لغزش ہوگئی تو اب اس تاخیر کے گناہ سے سرپرست بچ نہیں سکے گا، بلکہ نہ بھی گناہ ہو تو بھی تاخیر سے گناہ کا اندیشہ تو ہے،

دیر سے شادی پر غلط بحث

حیرت ہو کہ کچھ مسلمان بھی یہ نظریہ پھیلانے کا گناہ اپنے سر لے رہے ہیں کہ شادی بلوغ کے فوراً بعد نہ کی جائے، بلکہ بلوغ کے دس یا پانچ سال بعد کی جائے، اور اس کے غلط فوائد پر بحث مباحثہ تک کرنے سے گریز نہیں کرتے، حالانکہ موجودہ دور میں علمائے یورپ جنھیں تحقیق در یسرچ کا سب سے زیادہ ذوق ہے وہ بھی اس سلسلہ میں وہیں پہونچ چکے ہیں جس کی اسلام نے تاکید کی ہے،

دیر سے شادی اور برائی

کون انکار کرسکتا ہے کہ جس خاندان یا خطہ میں تاخیر سے شادی کا رواج ہے اس میں برائیوں نے جڑ نہیں پکڑلی ہے اور مزہ یہ ہے کہ یہ برائیاں مختلف نوع کی ہیں اور سب کی سب مہلک ہیں، جن سے اخلاق اور صحت پر انتہائی تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں،

چونکہ مفصل بحث (ہماری کتاب) "نظامِ عفت و عصمت" اور "نسل کشی" میں موجود ہے اس لئے دوبارہ تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق ارزانی فرمائیں،

شادی میں شادی والوں کے ذوق کی رعایت

پھر شادی میں حتی الوسع جانبین کے جائز ذوق کا لحاظ ضروری ہے، اس سلسلہ میں زور زبردستی ہرگز مفید نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات سخت مضر ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان یکسو ہو جاتا ہے، اور اس کے دل و دماغ کو حقیقی سکون حاصل ہوتا ہے۔



نابالغ بچوں سے متعلق چند مسائل

نابالغ مکلّف نہیں

اسلام میں انسان اس وقت مکلّف ہوتا ہے جبکہ عاقل و بالغ ہو، جب تک بچہ سِن بلوغ کو نہیں پہنچتا وہ حکماً غیر مکلّف ہی، یعنی کوئی شرعی حکم اس کے ذمہ فرض نہیں ہی، نہ عبادات اس کے ذمہ ضروری ہیں اور نہ منہیّات سے اجتناب (یعنی جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان سے بچنا) یہی وجہ ہے کہ بلوغ سے پہلے نہ اُن پر نماز فرض ہے نہ زکوٰۃ اور نہ روزہ فرض ہے نہ حج، یہ الگ بات ہے کہ اُسے عادی بنانے کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال کی عمر کے بعد نماز پڑھانے کا حکم فرمایا ہے، اور دس سال کے بعد تاکید شدید کی اجازت دی ہی یہانتک کہ فرمایا کہ دس سال کی عمر کے بعد اگر نماز نہ پڑھے تو اُسے پیٹا جائے،

احکام میں بلوغ کی شرط

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہی کہ احکام میں بلوغ کی شرط کب سے ہوتی؟ بیہقی نے "کتاب المعرفۃ" میں لکھا ہے کہ یہ، ہجرت کے بعد فوراً شرط قرار پایا، اور شیخ تقی الدین شبلی کا بیان ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد یہ شرط لگائی گئی، بہرحال جب بھی اس حکم کا ورود ہوا ہو، اب یہی حکم ہے،

حدِّ بلوغ

بلوغ کے سلسلہ میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ آخری حد پندرہ

سال کی عمر ہے، لیکن اس سے پہلے بھی بچّے بالغ ہو سکتے ہیں، اور ہوتے ہیں، لڑکا بارہ۱۲ سال کے بعد بھی بالغ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں بلوغ کے آثار ظاہر ہو جائیں، جیسے احتلام وغیرہ، اور لڑکی نو۹ سال بعد ہو سکتی ہے، بشرطیکہ آثارِ بلوغ ظاہر ہو جائیں، یعنی اس عمر کے بعد جس کا ذکر کیا گیا، اگر یہ دعویٰ کریں کہ بالغ ہو گئے، اور یہ علامت شروع ہو گئی تو اُن کو بالغ تسلیم کیا جائے گا،

نابالغ پر حد و قصاص نہیں

بلوغ سے پہلے یہ شریعت کی نظر میں مکلّف نہیں ہیں، چنانچہ کوئی قابلِ حد جرم کا ارتکاب کریں تو شریعت میں اُن پر حد جاری نہیں ہوگی، کسی کو قتل کر ڈالیں گے تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، البتہ ان کے سرپرست پر اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو ناجائز امور سے بچائیں، مثلاً کسی کو جان بوجھ کر وہ قتل کر ڈالیں گے تو قتلِ خطاء کی دیت لازم ہوگی،

بچّہ پر فطرہ اور قربانی

صدقۂ فطر اور قربانی بچّہ کے مال میں واجب ہونے میں اختلاف ہے، اور احتیاطاً ترجیح اسی کو دی ہے، کہ واجب ہے کہ ولی اس کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کر دے، اور قربانی کر دے، لیکن بچّہ کے مال سے اُس کی طرف سے جو قربانی کرائی جائے گی اس گوشت سے صدقہ میں کچھ نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس میں سے اُسے کھلائے باقی بیچ دے اگر بچّے کے مال سے قربانی کی قیمت ادا کی گئی ہے،

بچّہ کی زمین پر عشر و خراج

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ بچّہ کی زمین کی پیداوار میں عشر و خراج واجب ہے، اسی طرح

اگر نابالغ کی کسی عورت سے شادی کردی گئی ہے تو اس کی بیوی کا نفقہ بھی اس کے مال میں واجب ہوگا، اسی طرح قرابت داروں کا نفقہ بھی،

بچہ کے نماز و روزہ کا بُطلان

جو چیزیں بالغ کے نماز و روزہ کو فاسد کر ڈالتی ہیں ان چیزوں سے بچوں کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے، اور اسی طرح اُن کا روزہ بھی، جیسے نماز میں بات کرے، یا روزہ میں کھاپی لے، تو نماز و روزہ فاسد ہوجائے گا، البتہ قہقہہ سے (اگر نماز کی حالت میں ہو تو) بچہ کی صرف نماز باطل ہوگی، وضو نہ ٹوٹے گا، بخلاف بالغ کے کہ اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا،

بچہ کی عبادت اور اُس کا ثواب

عبادات گو اُن پر واجب نہیں، لیکن اگر یہ بجالائیں تو یہ عبادتیں اُن کی طرف سے درست ہوں گی، اب رہی یہ بحث کہ اُنھیں اُن کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو صحیح یہی ہے کہ خود انہی کو ان کا ثواب ملے گا، اگر کوئی انھیں سکھائے گا تو سکھانے کا ثواب سکھانے والے کو ملے گا، جیسے استاذ، والدین اور دوسرے لوگ یہ صحیح نہیں ہے کہ بچہ نماز روزہ ادا کرے تو نفس نماز و روزہ کا ثواب والدین کو ملے گا، ارشادِ ربانی ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى، البتہ اپنے بچے کے علم سے مرنے کے بعد والدین نفع اٹھائیں گے، جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے،

بچہ کی امامت

بچہ کی امامت جائز نہیں ہے، نہ فرائض میں نہ نوافل میں، خواہ وہ تراویح کی نماز ہو یا کوئی اور، جن لوگوں نے تراویح میں جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے،

بچّہ کی قرأت سننے سے سجدۂ تلاوت

بچّہ اگر کوئی آیتِ سجدہ پڑھ رہا ہے اور کوئی بالغ اسے سُن لے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا،

بچّہ کی اقتداء سے جماعت

اگر کوئی اس طرح نماز پڑھے کہ صرف ایک بچّہ مقتدی ہے تو بھی اسے جماعت کا ثواب حاصل ہوگا، البتہ جمعہ کی جماعت میں صرف بچّوں سے جماعت نہ ہوگی،

بچّہ کو ولایت حاصل نہیں

بچّہ کو ولایت حاصل نہیں ہے، لہٰذا نہ وہ نکاح کرا سکتا ہے نہ قاضی بن سکتا ہے اور نہ گواہ بن سکتا ہے، البتّہ خطیب بن سکتا ہے، مثلاً جمعہ میں خطبہ بچّہ دے اور نماز بالغ پڑھا دے تو یہ درست ہے،

بچّہ کی حکومت

بچّہ کی سلطنت درست ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، لیکن ترجیح اسی کو ہے، کہ وہ والی سلطنت نہیں بن سکتا ہے، البتّہ لوگوں کے اتحاد کے لئے اس کی تعظیم یعنی اُسے بڑا ماننا جائز ہے، بالغ ہونے کے بعد پھر بیعت کی تجدید ہوگی،

چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ سلطان کی موت واقع ہوگئی اور ساری رعایا اس کے نابالغ بچّہ کی سلطنت پر متفق ہوگئی، تو اس صورت میں یہ کیا جائیگا کہ سارے امورِ سلطنت کسی والی کے سپرد کردیئے جائیں اور اسی کے حکم سے سارے امور انجام پائیں گے، البتہ یہ والی جو منتظم کی حیثیت رکھتا ہی اپنے آپکو

اس کا تابع شمار کرے، تاکہ شاہزادہ کی شرافت قائم رہے، اس طرح رسمًا سلطان تو وہ بچّہ شمار ہوگا، اور حقیقت میں سلطنت اُس والی کی ہوگی، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سارے امورِ سلطنت درست طریقہ پر چل سکیں گے، اس لئے کہ قاضی یا جمعہ کا امام بچہ مقرر نہیں کرسکتا، اور نہ اس کا مقرر کرنا جائز ہی ہی، اس طرح کے سارے کام والیٔ انجام دے گا، جو سلطان کی جگہ تسلیم کیا گیا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ملک میں کوئی بدنظمی بھی پیدا نہیں ہوگی، اور نہ شرعًا کوئی اشکال پیش آئے گا،

بچّوں کیلئے نواقضِ وضو جن چیزوں سے بالغ کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اُن سے نابالغ بچّوں کا وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، سوائے نماز میں آواز کے ساتھ ہنسنے کے، جیساکہ اوپر گذرا،

بچّہ کی اذان بچّہ کی اذان اگر وہ عاقل نہیں ہے مکروہ ہے، لیکن اگر وہ سمجھ رکھتا ہے تو پھر اس کی اذان میں کوئی کراہت نہیں ہے، گو افضل بالغ کا ہی اذان پکارنا ہی، اس سے معلوم ہوا کہ عاقل بچّہ کو مؤذن مقرر کرنا درست ہے،

بچّہ کیلئے نماز میں قیام بچّہ اگر نماز پڑھے گا تو اس میں اس کا کھڑا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جب اس کی نماز درست ہوتی ہے تو اُسے قیام کرنا ہوگا، گو یہ درست ہے کہ نماز کے ارکان وشرائط اُس کے حق میں واجب قرار نہیں دیئے جاتے،

بچّہ کیلئے طہارت بچّہ اگر نماز پڑھے تو اس کے لئے طہارت ضروری ہی

خواہ واجب و فرض سے اس کی تعبیر نہ کی جائے، اگر کوئی مراہق (قریب البلوغ) بچّہ بلا وضو نماز پڑھ لے تو اُسے حکم دیا جائے گا کہ وضو کرکے پھر اُسے کوٹا لے، تاکہ آئندہ زندگی میں وہ بلا وضو نماز پڑھنے کے مرض میں گرفتار نہ ہونے پائے، اور اگر وہ بچّہ اس سِن کو نہیں پہنچا ہے اور اس نے بلا وضو نماز پڑھی ہے تو اسے اعادہ کا حکم دینا ضروری نہیں ہے، گو یہ کھُلی ہوئی بات ہے کہ اسکی نماز درست نہ ہوگی،

بچّہ کا مستعمل پانی

بچّہ نے جس پانی سے وضو کیا ہے وہ مستعمل کے حکم میں، راجح یہی ہے،

بچّہ کا نمازِ جنازہ پڑھنا

بچّہ اگر نمازِ جنازہ پڑھ دے تو کیا فرضِ کفایہ ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ راجح یہ ہے کہ بالغ کے ذمّہ سے ساقط نہیں ہوگا، اس لئے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بچّہ کی امامت نمازِ جنازہ میں بھی درست نہیں ہے،

بچّہ کی روایت

نابالغ جو بات نابالغی کی حالت میں سُنے اور بالغ ہونے کے بعد اسے بیان کرے تو اس کی یہ روایت قبول کی جائیگی، البتہ اگر نابالغی ہی کی حالت میں بیان بھی کرے تو اس میں اختلاف ہے، مراہق یعنی قریب البلوغ ہے تو بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ قبول کرلی جائے گی، البتہ جمہور کے نزدیک بلوغ سے پہلے جو روایت کرے وہ قبول نہیں ہے،

بچّہ کا ہبہ

ہدیہ اور اجازت کے سِلسلہ میں بچّہ کی بات قبول کی جائے گی، مگر چھان بین کے بعد، اگر وہ کہے کہ یہ فلاں شخص کا مال ہے یا میرے باپ کا ہے، اور انھوں نے آپ کی خدمت میں بطور ہبہ بھیجا ہے، یا

آپ کی خدمت میں صدقہ کے طور پر پیش کیا ہے، لیکن اگر وہ یہ کہے کہ یہ میرا مال ہے اور مجھے میرے والد نے اس کی اجازت دیدی ہے کہ آپ کی خدمت میں ہبہ یا صدقہ کے طور پر اُسے پیش کر دوں، تو پھر ایسی چیز قبول نہیں کرنی چاہئے،

بچّہ کی خریداری شمس الائمہ حلوائیؒ فرماتے ہیں کہ بچّہ پیسے لے کر بنئے کی دُوکان پر آئے اور کہے کہ ماں نے اجازت دی ہے، لہٰذا ان پیسوں کی فلاں چیز دیدو، تو بنئے کو چاہئے کہ وہ پہلے دیکھ لے کہ اگر ضرورت کی چیز مانگ رہا ہے تب تو اس کے ہاتھ وہ بیچے، اور بچّوں کے کھانے کی چیز مانگ رہا ہے جیسے چاکلیٹ وغیرہ جسے بچّے عام طرح سے کھاتے ہیں تو اس کے ہاتھ نہ فروخت کرے،

بچّہ اور قرآن مجید بچّوں کو بلا ضرورت قرآن پاک چھُونے نہ دیا جائے، اسی طرح ہر وہ کاغذ جس پر قرآن پاک لکھا ہوا ہے، لیکن پڑھنے کے لئے قرآن پاک دیا جائے گا، تاکہ چھوٹے پن میں وہ جلدی پڑھ لیں، اس لئے کہ اُن پر وضو فرض نہیں ہے،

لڑکیوں کا ناک کان چھیدنا لڑکیوں کے کان، ناک میں زیور کے لئے سوراخ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ عہدِ نبویؐ میں اس کا رواج تھا، اور آپؐ نے منع نہیں کیا، دوسرے یہ تکلیف برائے زینت ہے، اور اس کی اجازت ہے،

بچّہ کیلئے ہدیہ بچّہ کو کوئی ہدیہ بھیجے اور یہ معلوم ہو کہ یہ بچّہ ہی کے لئے ہے، تو والدین کو چاہئے کہ بلا ضرورت اُسے اپنے مصرف میں

نہ لائیں، بلکہ بچّہ ہی پر خرچ کریں، اور اگر انھیں اس کے استعمال کی ضرورت کسی وجہ سے ہے تو اس کی اجازت ہی، جیسے ہوں تو آبادی میں مگر وہ محتاج ہوں اور اگر محتاج نہیں ہیں تو پرہیز کریں، اور اگر ایسی جگہ میں ہیں کہ وہ چیز وہاں نہیں ملتی تو قیمت جمع کر کے استعمال میں لا سکتے ہیں،

مراہق سے حلالہ بچّہ اگر قریب البلوغ ہو جسے اصطلاح میں "مراہق" کہتے ہیں، اور اسے عورت کی خواہش ہوتی ہے اور جماع پر بھی قادر رہے، تو مطلّقہ مغلّظہ عورت ایسے لڑکے سے نکاح کرلے، اور اس کے ساتھ رہے سہے، اور ہمبستری کرے تو حلالہ ہو جائے گا، یعنی اگر بالغ ہونے کے بعد یہ لڑکا اسے علیحدہ کردے تو یہ عورت پہلے شوہر کے لئے جائز ہو جائے گی،

بچہ کا قبضہ مالِ مُباح پر بچّہ کا کسی مباح چیز پر قبضہ ہو جائے یا اسی طرح کسی چیز کا اسے مالک بنا دیا جائے تو یہ سمجھدار بچّہ اس کا مالک ہو جائے گا،

بچّہ کا حکم لقطہ میں اگر بچّہ کوئی گری پڑی چیز پالے اور اسے وہ مالک کو نہ پہونچائے تو یہ ضامن ہوگا، جس طرح بالغ ضامن ہوتا ہے، باقی اس لقطہ (گری پڑی چیز) کا مالک تک پہونچانے کے لئے اعلان تو یہ اس کے ولی کے ذمّہ ہے،

سلام و جوابِ سلام اور بچّہ بچّہ کو اگر کوئی سلام کرے تو اس پر سلام کا جواب دینا واجب ہے، رہا یہ مسئلہ کہ بچّہ کو سلام کرنا چاہئے

یا نہیں؟ تو راجح یہی ہے کہ سلام کرنا افضل ہے، اس لئے کہ حضرت علیؓ کے متعلق یہ روایت ہے کہ آپ بچّوں کو سلام کیا کرتے تھے، اور وہ کھیل چھوڑ کر آپ کو سلام کا جواب دیا کرتے تھے،

اس کے علاوہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں بچّوں کے ساتھ تھا کہ دفعۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم لوگوں کو سلام کیا؛

پھر فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر لوگ کسی قوم کے پاس آئیں اور سلام نہ کریں تو گنہگار ہوں گے جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائے سلام بغیر اختلاف سنتِ کفایہ ہے،

بچہ کا قبولِ اسلام اور ارتداد

سمجھدار بچّہ اگر اسلام قبول کرلے تو اس کا اسلام درست ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی تو اس وقت اُن کی عمر سات سال کی تھی، چنانچہ انھوں نے اس دعوت کو قبول کیا، اور زندگی بھر اپنے بچپن کے اس اسلام پر فخر کرتے رہے،

البتہ جس بچّہ کو عقل و شعور نہ ہو اس کا اعتبار نہیں، مگر بلوغ سے پہلے اگر مُرتد ہو جائے تو راجح مذہب یہ ہے کہ وہ قابلِ قبول نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہی ہے، اور امام اعظمؒ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا، چنانچہ اگر وہ اسلام کے بعد حالتِ نابالغی میں اسلام سے پھر جائیگا تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا،

بچہ کا ذبیحہ

ایسا بچّہ جو بسم اللہ کو جانتا ہے، اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ بغیر بسم اللہ ذبیحہ درست نہیں ہوتا، اگر یہ بسم اللہ کرکے کسی حلال جانور کو ذبح کرے تو اس کا کھانا درست ہے، اور اس کا ذبیحہ جائز

ہے، خواہ اس بچہ کی ختنہ ہو چکی ہوں یا نہیں، اسی طرح ایسا بچہ اگر بسم اللہ پڑھکر تیر چلائے اور اس سے شکار ہاتھ آئے تو اس کا کھانا درست ہوگا،

بچّہ اور اجنبی عورت

بلوغ سے پہلے بچّہ اجنبی عورت کو دیکھ سکتا ہے، اور تنہائی میں اس کے ساتھ رہ بھی سکتا ہے اور جس طرح اس کے لئے دیکھنا اور تنہائی جائز ہے اسی طرح عورت کے لئے بھی درست ہے کہ ایسے بچّہ کو دیکھے، (لیکن موجودہ دَور کے فتنہ کا تقاضا یہ ہے کہ مراہق نہ عورت کو دیکھے نہ عورت اُسے دیکھے، اسی طرح نہ وہ عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرے اور نہ عورت اس کے ساتھ،

بچّہ کی طلاق

نابالغ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی،

بچّہ اور حرمتِ مصاہرت

ایسا نابالغ بچّہ جسے عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے، اگر وہ وطی کرے تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی، اسی طرح ایسی بچّی سے وطی کرے جو مشتہاۃ ہے تو اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی،

بچّہ اور قسامت و دیت

بچّہ نہ قسامت میں داخل ہوگا، اور نہ عاقلہ میں اگر اس کے گھر میں کوئی مقتول پایا جائے گا تو اس کی دیت اُس کے عاقلہ پر ہوگی،

کافر بچّہ کا قتل

کافر حربی کا ایسا نابالغ بچہ جو لڑائی میں حصّہ نہیں لیتا ہو اُسے قتل نہیں کیا جائے گا،

بچّہ کی قسم

بچّہ کی قسم منعقد نہیں ہوتی، یعنی اگر یہ قسم کھالے اور اس کی

خلاف ورزی کرے تو اس پر کفارہ عائد نہیں ہوگا،

بچہ کی سزا

ادب دینے کے لئے بچہ کو سزا دینا درست ہے، اسی طرح قید کرنا بھی، لیکن سزا کے طور پر یہ درست نہیں ہے، بچہ ایسا معاملہ کرے جس میں نفع و ضرر دونوں کا احتمال ہو تو وہ اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر اجازت دے گا نافذ ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر صرف ضرر ہی ضرر ہو تو ایسا معاملہ سرے سے درست ہی نہیں ہوگا،

بچہ کا قبول

اگر کوئی شخص بچّہ کو کوئی چیز ہبہ کرے اور بچّہ قبول کرلے تو نافع چیز میں اس کا قبول کرنا درست مانا جائے گا،

غیر مشتہاۃ بچّی کیساتھ سفر

ایسی بچی جو مشتہاۃ نہیں ہے، یعنی اُسے دیکھکر خواہش پیدا نہیں ہوا کرتی اس کے ساتھ سفر بغیر محرم کے درست ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مرد اُسے غسل دے،

بچّہ اور مسئلہ دیت

اگر کوئی بچّہ کے ہاتھ میں چھُری دیدے اور بچّہ اس سے اپنے آپ کو ہلاک کرلے تو دینے والے پر ضمان نہیں ہے، اور اگر وہ بچّہ اس سے کسی دوسرے کو قتل کردے تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر عائد ہوگی، اور اس کے عاقلہ (اہلِ خاندان) چھُری دینے والے سے وصول کریں گے، اسی طرح اگر بچّہ کو کوئی حکم دے کہ فلاں کو قتل کردو اور وہ اس کے کہنے سے قتل کر ڈالے تو دیت اس کے اہلِ خاندان پر عائد ہوگی، اور خاندان والے یہ رقم حکم دینے والے سے وصول کریں گے،

اگر کوئی بچّہ کو درخت پر چڑھا دے

کوئی بچّہ کسی درخت پر چڑھا ہوا تھا کسی نے حکم دیا کو د پڑو، چنانچہ وہ وہاں سے پھاند پڑا، تو اس کی دیت کی ذمہ داری اس حکم دینے والے پر ہوگی،

بچّہ سے کام اور اسکی ہلاکت

کسی شخص نے کسی بچّہ کو کسی کام کے لئے بھیجا اور بچّہ اس میں ہلاک ہوگیا، تو ضمان اس بھیجنے والے پر ہوگا، اسی طرح اگر اس نے بغیر اس کے گھر والے کی اجازت کے اسے کہیں بھیجا، اور وہ بچّوں کے ساتھ کسی کوٹھے پر چڑھ گیا، اور وہاں سے گر کر مرگیا تو ذمّہ داری اُس بھیجنے والے پر ہوگی،

بچّہ سے پھل تُڑوانا

کسی نے بچّہ کو کسی درخت پر پھل توڑنے کے لئے چڑھایا یا لکڑی توڑنے کو کہا اور وہ درخت سے گر کر مرگیا، تو یہ شخص ذمّہ دار ہوگا، اور اس پر دیت آئے گی،

بچّہ کی ہلاکت و حفاظت

سات سال یا اس سے زیادہ کا بچّہ گر چھت سے گرجائے یا پانی میں ڈوب جائے، تو بعض علماء نے کہا ہے کہ والدین پر کوئی ذمّہ داری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہو چکا ہے جو بذاتِ خود اپنی حفاظت کیا کرتے ہیں، البتہ اگر عمر میں اس سے کم ہو یا عمر تو زیادہ ہو مگر عقل و شعور اب تک نہ آیا ہو تو والدین پر یا ان لوگوں پر ذمّہ داری آئے گی جن کی پرورش اور نگرانی میں وہ رہتا ہے اور اسے کفارہ ادا کرنا ہوگا، اس وجہ سے کہ حفاظت کا جو فریضہ اس پر عائد ہوتا تھا اس میں اس نے غفلت برتی، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اس پر صرف استغفار ہے اور

فقہاء نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے،

بچہ اور ناجائز چیز کا استعمال

ولی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ بچے کو ریشم یا سونا پہنائے یا اسے شراب پلائے، اور نہ یہ درست ہے کہ اُسے پیشاب پاخانہ کے لئے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بٹھائے، اور یہ بھی ناجائز ہے کہ مہندی سے اس کے ہاتھ یا پاؤں رنگین کرے[1]،

اس وقت یہ سلسلہ یہیں ختم کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ
اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ
صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ
ذُرِّيَّتِيْ، اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ
وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ
الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

طالبِ دعاء
محمد ظفیر الدین غفرلہٗ پورہ نوڈیہاوی
دار الافتاء دار العلوم، دیوبند

[1] اس باب کے تمام مسائل کیلئے دیکھئے الاشباہ والنظائر مع شرح حموی فن ثالث احکام الصبیان ص ۴۷۹ تا ۴۸۷

منتخب 112 استنباطی مضامین قرآن (بحوالہ آیات، سورۃ)

میں سے چند اہم عنوانات کی جھلکیاں

اسلام کا نظامِ اعتقادات ☆ اسلام کا نظامِ عبادات ☆ اسلام کا نظامِ نظافت ☆ اسلام میں سنت رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت وعظمت ☆ اسلام میں نظریہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حقیقت آمیز تجزیہ ☆ اسلام کا نظامِ امن ☆ قرآنی حقائق کا تاریخ سے موازنہ چہ معنی دارد؟ ☆ اسلام، عقل اور سائنس ☆ اسلام میں نظریہ رؤیتِ ہلال اور سائنسی استدلالات ☆ وحی رسالت اور وحی بمعنی الہام والقاء کے متعلق شرعی حقیقت ☆ اسلام کا نظامِ محنت ☆ اسلام کا نظامِ معیشت اور طبقاتی نظام (موازنہ) ☆ نظریاتی وتہذیبی اختلاف کے فکری نتائج ☆ اسلام میں حقوق نسواں ☆ عالمی معاشی وباء (سودی نظام) ☆ معاملات کے لین دین کا قانونی نظام ☆ بین المذاہب مکالمہ ☆ فرقہ واریت کی اُصولی بحث ☆ اسلام کا نظامِ عفت وپاکدامنی ☆ اسلام کا نظامِ میراث ☆ اسلام کا نظامِ تجارت اور اس کے رہنما اُصول ☆ احکامِ دین کا عملی وقانونی نفاذ ☆ عزیمت اور رخصت کا حکیمانہ اُسلوب ☆ وکالتِ باطلہ وصحیحہ ☆ اسلام میں نظامِ عدل وانصاف مع نظامِ شہادت ☆ حلال وحرام اور نظریہ شریعت ☆ مشروط امن معاہدے اور اسلام کی دفاعی وخارجہ پالیسی ☆ فلسفہ انقلابِ احوال ☆ جامعیت قرآن کی ہمہ جہتی حقیقت ☆ حکمت اور موعظہ حسنہ ☆ اسلام کا اخلاقی نظام ☆ اسلام کا نظامِ حکومت ☆ اختلاف رائے او رآزادی رائے ☆ نظریہ جہاد اور اس کی حکمت مع حدود وقیود ☆ عورت کی حکمرانی کے خلاف پہلی احتجاجی آواز ☆ قواعد واُصول وقتی نہیں ہوتے ☆ اسلام اور تربیت اولاد ☆ اسلام اور نظریہ تعلیم وفن ☆ ناموس رسالت ، آداب، محبّت وعشق رسول ﷺ ☆ اسلام کا نظامِ طلاق ☆ اسلام اور سماجی خدمات ☆ اسلام اور حقوق العباد ☆ بیعت، تزکیہ نفس اور اصلاحی حقائق ☆ شریعت وطریقت ☆ کونسی جماعت برحق ہے؟ ☆ آدابِ معاشرہ کے اخلاقیاتی پہلو ☆ تحقیقِ حالات کا شرعی نظام ☆ تقلیدِ محمود کی آسان فہم حقیقت ☆ اسلام اور باقی مذاہب کا تقابلی جائزہ ☆ باطنی اعتبار سے عذابِ الٰہی کی بدترین قسم ☆ نظامِ حدود وتعزیرات ☆ نظامِ فطرت کے خدائی اُصول اور عقلیات کے بےلگام گھوڑے ☆ بحر وبر میں سببِ فساد کا تجزیہ برحق ☆ فلسفہ عزت وذلت وغیرہ